وفاق المدارس العربیہ پاکستان کا ترجمان

ماہنامہ

# وفاق المدارس ملتان

جلد نمبر ۲۱ شمارہ نمبر ۱۱ ذی قعدہ ۱۴۴۵ھ جون ۲۰۲۴ء


بیاد

شمس العلماء
حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ

استاذ العلماء
حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ

محدث العصر
حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

مفکر اسلام
حضرت مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ

جامع المعقول والمنقول
حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ

رئیس المحدثین
حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ

استاذ المحدثین
حضرت مولانا عبد الرزاق اسکندر رحمۃ اللہ علیہ

سرپرست

شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم
صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

شیخ الحدیث حضرت مولانا انوار الحق حقانی مدظلہم
سینئر نائب صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

مدیر اعلیٰ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہم
ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان

مدیر

مولانا محمد احمد حافظ



خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ

وفاق المدارس العربیہ پاکستان گارڈن ٹاؤن شیر شاہ روڈ ملتان

فون نمبر 061-6514525-6514526-27 فیکس نمبر 061-6539485

Email:wifaqulmadaris@gmial.com web:www.wifaqulmadaris.org



ناشر: حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری ◉ مطبع: اقرا اختر پرنٹنگ پریس پرانی غلہ منڈی بوہڑ گیٹ ملتان

شائع کردہ: مرکزی دفتر وفاق المدارس العربیہ گارڈن ٹاؤن شیر شاہ روڈ ملتان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# فہرست مضامین


| | | |
|---|---|---|
| یہ چمن معمور ہوگا نغمہ توحید سے!! | کلمۃ المدیر | ۳ |
| حج اور اتحادِ امت | مولانا محمد اسرار الحق قاسمی | ۷ |
| اختلاف اور آدابِ اختلاف | مولانا خالد سیف اللہ رحمانی | ۱۱ |
| علامہ ذہبیؒ اور تذکرۃ الحفاظ میں ان کا اسلوبِ تالیف | مولوی محمد انس بن عطاء | ۱۹ |
| علمِ وقف وابتداء.....علوم قرآنیہ کی ایک اہم جہت | جناب حافظ محمد طاہر | ۳۰ |
| تحصیل علوم دین کا مقصد | مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی رحمہ اللہ | ۳۴ |
| مدارس عربیہ کے نئے تعلیمی سال کا آغاز | مولانا شمس الحق ندوی | ۳۶ |
| طلبِ حدیث کے آداب | مولانا محمد طاہر سورتی | ۳۹ |
| وفاق المدارس اور مولانا مفتی محمد تقی عثمانی | جناب نوید مسعود ہاشمی | ۴۳ |
| استعمار کی گود میں فہم دین کی؟! | جناب محمد عرفان ندیم | ۴۶ |
| ڈیجیٹل نوسر بازی | جناب اشفاق اللہ جان ڈاگیوال | ۴۸ |
| رُکے گا اب یہ سیل رواں کیونکر؟! | جناب ڈاکٹر تصور اسلم بھٹہ | ۵۳ |
| غزہ: 'تہذیبوں کے چوراہے' کی تاریخ | جناب سجاد اظہر | ۵۸ |
| تبصرۂ کتب | محمد اَحمد حافظ | ۶۲ |



## سالانہ بدل اشتراک

بیرون ملک امریکہ، آسٹریلیا، جنوبی افریقہ اور یورپی ممالک ۳۰ ڈالر- سعودی عرب، انڈیا اور متحدہ امارات وغیرہ ۲۳ ڈالر- ایران، بنگلہ دیش ۲۰ ڈالر-

**اندرون ملک** قیمت: فی شمارہ: 40 روپے، زرسالانہ مع ڈاک خرچ: 500 روپے

# یہ چمن معمور ہوگا نغمہ توحید سے!!

## غزہ کی جنگ.....اور داعیان دین سے وابستہ توقعات

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم!

**تمام حمد وثنا اللہ رب العالمین کے لیے ہے جو اس کائنات کا خالق ومالک اور بے نیاز ذات ہے، دَرُود وسلام ہو امام المجاہدین حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر، آپ کی آل اطہار پر اور آپ کے جاں نثار صحابہ پر۔**

ارض فلسطین غزہ میں پچھلے سات ماہ سے خیر وشر کا ایک عظیم معرکہ جاری ہے۔ ایک طرف آتش نمرود ہے، دوسری جانب ابراہیمی دین کے سچے پیروکار نہتے مظلوم فلسطینی ہیں جو مسلسل بموں کی برسات کا سامنا کر رہے ہیں۔ غزہ کی پوری پٹی تقریباً راکھ کا ڈھیر ہو چکی ہے، کوئی جائے پناہ نہیں، کوئی محفوظ ٹھکانہ نہیں۔ اسرائیل؛ جو مجاہدین فلسطین کا تو مقابلہ نہیں کر پا تا لیکن معصوم بچوں، عورتوں اور نہتے لوگوں کو نشانہ بنا کر اپنی ''بہادری'' کا رعب جمانے کی کوشش کرتا ہے۔ اسرائیلی افواج نے طے شدہ بین الاقوامی جنگی قوانین اور مغرب کے فلسفہ انسانی حقوق کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دی ہیں، مگر مجال ہے کہ کسی سپر طاقت کے ماتھے پر سلوٹ بھی آئی ہو۔ امریکا، برطانیہ، فرانس، جرمنی اور کئی دیگر غیر مسلم ممالک (اور بدقسمتی سے بعض مسلم ممالک) کی حکومتیں مسلسل اسرائیل کی مکمل پشتیبانی کر رہی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سپر طاقتوں کا لے پالک اسرائیل پوری ڈھٹائی کے ساتھ ہمارے فلسطینی بھائیوں کی نسل کشی کر رہا ہے۔ وہ جنگ بندی اور کسی معقول حل کی جانب سوچنا بھی گوارا نہیں کر رہا۔

صورت حال یہ ہے کہ اس وقت پورے عالم پر فلسطینی کاز کی سچائی اور فلسطینیوں کی مظلومیت آشکارا ہو چکی ہے۔ دنیا بھر کے حقیقت پسند اور انصاف پرور لوگ اسرائیل کو ایک غاصب، جارح اور جنگی جرائم کی مرتکب ریاست کے طور پر دیکھ رہے ہیں۔ چناں چہ اسرائیل کے سرپرست امریکا ہی کی مختلف ریاستوں میں قائم یونیورسٹیوں میں غزہ اور فلسطین کے حق میں مظاہروں کا سلسلہ جاری ہے۔ پولیس کی رکاوٹوں، تشدد اور پکڑ دھکڑ کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے امریکی یونیورسٹیوں کے اساتذہ، طلبہ اور عام عوام غزہ میں فوری جنگ بندی کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ یہ مظاہرے ٹیکساس ریاست کی 'آسٹن یونیورسٹی'، جنوبی کیلیفورنیا کی یونیورسٹی، جارجیا کی 'ایموری یونیورسٹی' اور 'بوسٹن ایمرسن کالج' میں ہوئے، جس میں یونیورسٹی طلبہ، اساتذہ کے علاوہ عوام نے بھی شرکت کی۔ گزشتہ ماہ واشنگٹن میں ہزاروں کی تعداد میں طلبہ آسٹن یونیورسٹی اور کیلیفورنیا یونیورسٹی کے گرفتار ہونے والے طلبہ سے اظہار یکجہتی نیز غزہ کے

مظلوموں کے حق میں آواز اٹھانے کے لیے جمع ہوئے۔

نیویارک کی کولمبیا یونیورسٹی میں انتظامیہ کے الٹی میٹم کے باوجود احتجاج کو ختم نہیں کیا گیا۔ یو ایس سی یونیورسٹی نے اسرائیل کے خلاف طلبہ احتجاج کی وجہ سے اپنی سالانہ تقسیم اسناد کی تقریب کو معطل کر دیا۔ جارجیا کی ایموری یونیورسٹی میں پولیس کو طلبہ کو منتشر کرنے کے لیے آنسو گیس اور لاٹھی چارج کا استعمال کرنا پڑا۔ آسٹن، بوسٹن اور لاس اینجلس کی یونیورسٹیوں کے طلبہ سے اظہار یکجہتی کے لیے ہاورڈ یونیورسٹی اور براؤن یونیورسٹی کے طلبہ نے بھی احتجاج کی کال دی۔ مظاہرین کا مطالبہ ہے کہ اسرائیل سے روابط کو ختم کیا جائے اور ان کمپنیوں کا بائیکاٹ کیا جائے، جو غزہ کی جنگ میں اسرائیل کی مددگار ہیں۔ ایک رپورٹ کے مطابق یہ احتجاج امریکہ بھر کی پچاس سے زائد یونیورسٹیوں میں ہوا ہے، جسے روکنا اب امریکی حکومت کے بس میں نہیں رہا۔ احتجاج کی شدت میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے۔

طلبہ کا یہ احتجاج محض امریکی جامعات تک محدود نہیں رہا بلکہ برطانیہ، فرانس، اور آسٹریلیا کی یونیورسٹیوں تک پھیل چکا ہے۔ امریکی حکومت طلبہ کی اس تحریک پر بوکھلاہٹ کا شکار ہے۔ اسرائیلی وزیر اعظم نیتن یاہو بھی پریشان ہے کہ اگر یہ تحریک جاری رہتی ہے تو امریکی حکومت کے لیے اسرائیل کی حمایت کو جاری رکھنا مشکل ہو جائے گا۔

ان مظاہروں کی خاص بات یہ ہے کہ یہ پرامن ہیں۔ طلبہ ملکی قوانین اور شہری امن کا خیال رکھتے ہوئے مظاہرے کر رہے ہیں، تاہم امریکی ریاستوں کی انتظامیہ کو یہ پرامن مظاہرے بھی قبول نہیں۔ امریکی پولیس آزادی رائے اور آزادی اظہار کے اپنے ہی طے شدہ معیارات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے طلبہ پر تشدد کر رہی ہے اور انہیں جیلوں میں ٹھونس رہی ہے۔ طلبہ کا یہ احتجاج کب تک جاری رہتا ہے؛ کچھ کہا نہیں جا سکتا، لیکن بہرحال طلبہ کے اس بھرپور احتجاج نے ایک بار پھر پوری دنیا کو فلسطین کے المیے کی جانب متوجہ کیا ہے۔

اس وقت شرُّ البریّہ یہود اپنے شیطانی کرتوتوں اور حرکتوں کی وجہ سے جس طرح رُسوا ہو رہے ہیں، اور پوری دنیا اسرائیلیوں کے گھناؤنے کردار پر تھوک رہی ہے...... اس کیفیت نے قرآنی آیت: **ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ**...... پر ہمارا ایمان پہلے سے زیادہ پختہ کر دیا ہے۔

بہرحال ان سطور میں عالمی سطح پر جاری اس طلبہ تحریک کی رپورٹنگ مقصود نہیں، بلکہ اس امر کی جانب توجہ دلانا مقصود ہے کہ حماس کے جہاد اور فلسطینی عوام کی مظلومیت نے پوری دنیا کو ان کی طرف متوجہ کیا ہے۔ اقوامِ عالم کے انصاف پسند دیکھ رہے ہیں کہ غزہ کے باسی کس طرح شدید ترین بمباری، گھروں کی تباہی، اپنے پیاروں کی جدائی، درجنوں کے حساب سے روزانہ شہداء کی لاشیں اٹھانے، قحط کا سامنا کرنے، زخموں سے چور اور وبائی امراض میں مبتلا ہونے کے باوجود امید بھری زندگی جی رہے ہیں۔

کسی ایک متنفس نے بھی یہ شکایت نہیں کی کہ یہ ہولناک تباہی حماس کے سبب ہوئی، کسی ایک زبان پر بھی تقدیر کا شکوہ نہیں.....اگر زبانوں پر کچھ ہے تو وہ حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْل کا وِرد ہے، عافیت کی دعائیں ہیں، آخرت میں جنت کا انتظار ہے، مصائب میں صبر وثبات پر اللہ تعالیٰ کے ابدی انعامات پر پختہ یقین ہے۔غزہ کے باسی جب اپنے شہداء کو رخصت کرتے ہیں تو اُن کے کانوں میں سرگوشی کرتے ہیں کہ وہاں پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارا اسلام کہنا، آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو بتانا کہ ہم آپ کے امتی ہیں، ہم آپ پر، آپ کے دین پر اور مسجد اقصیٰ پر فدا ہیں۔غزہ کی خیمہ بستیوں میں بچے بچیوں کے لیے حلقاتِ قرآن کریم قائم ہیں۔انہی خیمہ بستیوں میں اسکول ومدرسہ کی تعلیم بھی جاری ہے۔بقول شاعر.....

جینے والے موت سے گھبرا گئے　　مرنے والے زندگی پہ چھا گئے

یہ تو فلسطینی عوام کا معاملہ ہے، مجاہدینِ فلسطین جو پچھلے سات ماہ سے غاصب ریاست سے نبرد آزما ہیں ان کے دامن پہ کسی ناروا انسانی جرم، بدعہدی یا مسلّمہ بین الاقوامی جنگی قوانین کی خلاف ورزی کا ادنیٰ سا دھبہ بھی نہیں ہے۔

یہ وہ طرزِ عمل ہے جس نے ایک دنیا کو ششدر کر دیا ہے۔وہ فلسطینیوں کی اس مقاومت، پامردی اور اپنے دین سے گہری وابستگی کی کوئی سی توجیہ کرنے سے قاصر ہیں۔یورپی اقوام میں ایسی بیسیوں مثالیں سامنے آئی ہیں کہ اہل غزہ کے دین اسلام سے والہانہ تعلق نے انہیں گرویدہ کر دیا، انہوں نے قرآن پاک کا مطالعہ شروع کیا آیات قرآنیہ کے مفاہیم ان کے دلوں میں اترتے چلے گئے؛ بالآخر انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔

یہ وہ حالات ہیں جو داعیانِ دین کے لیے نہایت سازگار ہیں، آج وہ خاص اس پوزیشن میں ہیں کہ دنیا کو بتا سکیں کہ یہ ''اسلام'' ہی ہے جو گھمسان کی جنگوں میں بھی اپنے پیروکاروں کو ٹوٹنے اور بکھرنے نہیں دیتا، اپنے پروردگار سے ناامید نہیں ہونے دیتا، اسلام ہی ہے جو اپنے پیروکاروں کو آخرت کی ابدی آسائشوں اور رعنائیوں سے بہرہ وَر ہونے کی امید دلاتا ہے، ان کے دلوں کو ہمت اور قدموں کو استقامت عطا کرتا ہے۔

داعیانِ دین کے لیے سنہرا موقع ہے کہ وہ اس عالمگیر بیداری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مشرق ومغرب کی غیر مسلم اقوام کو بتائیں کہ یہودیت، عیسائیت، جمہوریت، آزادی، انسانی حقوق کے فلسفے، لبرل ازم اور سیکولرزم کی آدرشیں.....سب ناکام ہو گئے.....یہ تمام نظریات دراصل استبدادی قوتوں کے پھندے ہیں جن کے ذریعے وہ کمزور اقوام کو شکار کرتے؛ اور ان کا استحصال کرتے ہیں۔آج اگر کوئی عقیدہ ونظریہ پوری قوت کے ساتھ زندہ ہے تو وہ 'اسلام' ہے، عقیدہ توحید ہے، عقیدہ رسالت، اور آخرت ہے۔

یہ وقت ہے کہ اقوام عالم کو دعوت دی جائے کہ:.....

قُلْ یٰاَھْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَ بَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِکَ بِهٖ شَیْئًا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ط فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَo

(مسلمانو! یہود ونصاریٰ سے) کہہ دو کہ: اے اہل کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آجاؤ جو ہم تم میں مشترک ہو، (اور وہ یہ) کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، اور اللہ کو چھوڑ کر ہم ایک دوسرے کو رب نہ بنائیں۔ پھر بھی اگر وہ منہ موڑیں تو کہہ دو: گواہ رہنا کہ ''ہم مسلمان ہیں''۔ (آل عمران:۶۴)

آج پھر اس پیغام کو تازہ کرنے کی ضرورت ہے جو معرکہ قادسیہ کے موقع پر حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ نے رستم کے سامنے پیش کیا تھا، انہوں نے رستم کے کروفر کو زیر قدم رکھتے ہوئے برملا انداز میں فرمایا تھا:

جَاءَ اللّٰهُ بِنَا لِنُخْرِجَ الْعِبَادَ مِنْ عِبَادَةِ الْعِبَادِ إِلٰی عِبَادَةِ رَبِّ الْعِبَادِ، وَمِنْ جَورِ الْاَدْیَانِ إِلٰی عَدْلِ الْإِسْلَامِ، وَمِنْ ضِیقِ الدُّنْیَا إِلٰی سَعَةِ الْآخِرَةِ۔

''اللہ تعالیٰ ہمیں اس لیے لایا ہے تاکہ ہم بندوں کو بندوں کی بندگی سے نکال کر بندوں کے رب کی بندگی کی طرف لائیں، ادیانِ باطلہ کے ظلم وجور سے نکال کر اسلام کے عدل وانصاف کی جانب لائیں اور انہیں دنیا کی تنگی سے نکال کر آخرت کی آسائش ووسعت کی طرف لائیں۔''

کیا معلوم کہ یہ صدائے رُستا خیز بلند ہو..... اور جیسا کہ تاریخ مشاہدہ کر چکی ہے کہ کس طرح آج سے سات صدیاں قبل؛ جب عالم اسلام کے خلاف تاتاریوں کا مہیب طوفان اٹھا تھا اور اس نے عالم اسلام کے ایک بڑے حصے کو زیر وزبر کر دیا تھا، پھر انہی تاتاریوں میں سے ہی کچھ افراد نے اسلام کی حقانیت کو جانا، دل سے قبول کیا..... اور تاریخ نے مشاہدہ کیا کہ پھر یہی تاتاری اسلام کے محافظ بن گئے..... ممکن ہے آج بھی قدرت یہی نظارہ دکھادے، لوگ جوق در جوق اسلام کے سایہ عاطفت میں داخل ہونے لگیں۔

مگر اس کے لیے ضروری ہے کہ داعیان دین کی دعوت میں معذرت خواہی کا عنصر نہ ہو، وہ مغرب کی لاحاصل، مردہ اقدار اور ژولیدہ افکار ونظریات سے متاثر نہ ہوں، اپنے دین کی حقانیت، عالمگیریت اور آفاقیت کو مکمل اعتماد کے ساتھ کھلے طور بیان کریں۔ ان شاء اللہ.....

پھر دِلوں کو یاد آ جائے گا پیغامِ سجود
پھر جبیں خاکِ حرم سے آشنا ہو جائے گی!
شب گریزاں ہو گی آخر جلوہ خورشید سے
یہ چمن معمور ہو گا نغمہ توحید سے!

# حج اور اتحادِ امت

مولانا محمد اسرار الحق قاسمی

اسلام میں اجتماعیت پر بڑا زور دیا گیا ہے، اس سلسلے میں قرآن کریم کی واضح آیات بھی موجود ہیں اور روشن احادیث بھی، اسی طرح مسلمانوں کے درمیان اجتماعیت قائم کرنے کے لیے عملی نظام بھی موجود ہے۔ قرآن مجید میں باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''اِنّمَا المُومِنُونَ اِخوَۃ'' (تمام مومنین آپس میں بھائی بھائی ہیں۔)

اللہ رب العزت اجتماعیت کی مدد فرماتے ہیں۔ ''یَدُ اللّٰہِ عَلَی الجماعَۃِ''۔ اسلام میں بہت سی عبادتوں کو ایک ساتھ ادا کرنے کا حکم کیا گیا ہے؛ تاکہ مسلمانوں کے درمیان اجتماعیت واخوت قائم رہے۔ اس پر سوال ہوتا ہے کہ اسلام میں اجتماعیت پر اس قدر زور کیوں دیا گیا ہے؟ کیوں مسلمانوں کو اپنی صفوں میں اتحاد قائم کرنے کی بار بار تاکید کی گئی ہے؟ دراصل اتحاد واجتماعیت کسی بھی قوم کی بقا کے لیے ضروری ہے۔ قومیں باہم جس قدر متحد اور مجتمع ہوتی ہیں، اُسی قدر وہ بااثر اور ناقابلِ تسخیر خیال کی جاتی ہیں۔ اس کے برعکس جو اقوام وملل باہم اختلافات کی شکار ہوجاتی ہیں، ان کا وجود خطرے میں پڑ جاتا ہے، ان کے لیے اپنی شناخت وتشخص کو بچا پانا مشکل ہوجاتا ہے۔ کوئی قوم افراد کے اعتبار سے خواہ چھوٹی ہو؛ لیکن اگر وہ متحد ہے تو اس کے مستقبل کے تابناک ہونے کے امکانات روشن رہتے ہیں۔ مسلمانوں کی تاریخ میں اس کی روشن مثالیں موجود ہیں۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کی تعداد بڑی قلیل تھی؛ لیکن وہ باہم متحد تھے، تو اس چھوٹی سی تعداد نے بڑے بڑے معرکوں کو سر کیا۔ تاریخِ اسلام گواہ ہے کہ خلفائے راشدین کے دور میں اسلام دنیا کے دور دراز کے علاقوں وملکوں میں پہنچ گیا، مختلف ممالک ایک کے بعد ایک مسلمانوں کے زیرِ نگیں آتے چلے گئے اور دنیا کی بڑی بڑی قومیں مسلمانوں کے سامنے بکھر کر رہ گئیں؛ لیکن جب مسلمانوں میں اخوت وبھائی چارگی نہ رہی، وہ باہم لڑنے لگے، اپنے اپنے مفادات کے لیے اپنے ہی بھائیوں پر حملہ آور ہونے لگے تو دنیا سے مسلمانوں کا دبدبہ ختم ہوگیا اور چھوٹی چھوٹی قومیں بھی انھیں لقمہ ؟ تر سمجھنے لگیں۔

آج صورتِ حال یہ ہے کہ مسلمانوں کے پاس پچاس سے زیادہ ممالک ومملکتیں ہیں۔ دنیا میں ان کی تعداد سوا ارب سے بھی زائد ہے، مسلمانوں کے متعدد ممالک میں پٹرول، ڈیزل، تیل وگیس کے ذخائر موجود ہیں اور ان کے پاس پُرتعیش زندگی گزارنے کے لیے وافر مقدار میں وسائل وذرائع ہیں؛ مگر اس کے باوجود دنیا کے منظر نامے پر

ان کا کوئی اثر ورسوخ نہیں ہے، نہ صرف دنیا کی بڑی قومیں؛ بلکہ چھوٹی چھوٹی قومیں بھی ان کا محاصرہ کرنے پر کمر بستہ نظر آتی ہیں اور اُن پر عرصہ حیات تنگ کرنے کی کوششیں کرتی ہیں۔ مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچانے کے لیے آئے دن اسلام پر بے ہودہ الزامات لگائے جاتے ہیں اور کبھی قرآن کو تو کبھی پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو نشانہ بنانے کی کوشش کی جاتی ہے؛ تاکہ مسلمانوں کو تکلیف پہنچے، وہ مشتعل ہوں اور پھر ان کو جانی ومالی نقصان سے دوچار کیا جائے مسلمانوں کی یہ دُرگت اس لیے ہوئی کہ وہ باہم متحد نہیں ہیں، چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں بنٹ گئے ہیں۔ کہیں برادریوں کے نام پر ان کے درمیان فاصلے قائم ہیں، کہیں مسلک کے نام پر ان کے مابین دوریاں پائی جاتی ہیں اور کہیں علاقائیت کے نام پر باہم دست وگریباں ہیں۔ اس فرقہ بندی نے مسلمانوں کے شیرازے کو بری طرح متاثر کیا ہے۔

یہ زمانہ ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کا ہے۔ ہر قوم دنیا پر اپنی بالادستی قائم کرنے کے لیے کوشاں ہے، اسی لیے آگے بڑھنے اور دوسری قوموں کو پیچھے چھوڑنے کے لیے طرح طرح کے ہتھکنڈے اختیار کیے جارہے ہیں، وہ قومیں جو صدیوں سے منتشر چلی آرہی تھیں، وہ اب ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوکر اپنی طاقت میں اضافہ کررہی ہیں؛ مگر مسلمان ہنوز منتشر ہیں۔ علامہ اقبال نے اس کا نقشہ کچھ اس طرح کھینچا ہے:

یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلمان بھی ہو
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں
منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی، دین بھی ایمان بھی ایک
حرمِ پاک بھی اللہ بھی قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

صدیوں سے مسلمانوں کے درمیان جاری اختلافات کے خطرناک نتائج نے یہ ثابت کردیا ہے کہ جب تک مسلمان اپنی صفوں میں اتحاد واجتماعیت قائم نہیں کریں گے، رُسوائی اور پسماندگی کی بیڑیاں ان کے پیروں میں پڑی رہیں گی؛ حالانکہ برسہابرس سے جاری مسلمانوں کے درمیان قائم اختلافات کا ختم ہونا بہ ظاہر آسان نظر نہیں آتا اور اس سلسلے میں کی جانے والی تدبیروں کے کارگر ہونے کے مضبوط امکانات بھی دکھائی نہیں دیتے؛ مگر حقیقت یہ ہے کہ

اگر مسلمان اپنے آپ کو اسلام کا پابند بنالیں اور اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہوں، نیز اسلامی نظام کو اپنے درمیان اخلاص وجذبات کے ساتھ قائم کریں تو مضبوط اتحاد اور یگانگت ان کے مابین آسانی کے ساتھ قائم ہوجائے گی۔

اسلام میں عبادات پر خاص توجہ دی گئی ہے۔اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے چار کا تعلق براہِ راست عبادت سے ہے۔قرآن میں انسان کی پیدائش کا مقصد بھی عبادتِ الٰہی بیان کیا گیا ہے۔فرمایا گیا:

وَمَاخلقتُ الجنّ وَالانسَ اِلّا لِیَعْبُدُوْن

اگر مسلمان خلوصِ نیت کے ساتھ عبادت کریں اور عبادت کے تقاضوں ومطالبوں کو پورا کریں تو ان کے درمیان اجتماعیت قائم ہوجائے گی۔مثال کے طور پر پانچ وقت کی نمازیں مسلمانوں پر فرض کی گئی ہیں؛ لیکن ان نمازوں کو اجتماعیت کے ساتھ ادا کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔دن رات میں پانچ بار ایک ہی وقت میں مسجد میں جمع ہونا، پھر ایک ہی ساتھ کاندھے سے کاندھا ملانا، ایک ہی ساتھ رکوع وسجود کرنا، اٹھنا اور بیٹھنا آپسی بھائی چارے کے لیے بڑا موثر ہے۔محلّہ کی سطح پر اتحاد کے قیام کے بعد اس کے دائرے کو مزید اس طرح پھیلایا گیا ہے کہ ہفتے میں ایک بار جمعہ کی نماز فرض کی گئی ہے اور اس نماز کو شہر کی جامع مسجد میں ادا کرنا زیادہ بہتر قرار دیا گیا۔شہر کی جامع مسجد کا انتخاب اس لیے کیا گیا ہے؛ تاکہ پورے شہر کے لوگ کم از کم ہفتے میں ایک بار جامع مسجد میں جمع ہوجایا کریں اور ایک ساتھ بارگاہِ الٰہی میں سربسجود ہوجایا کریں، یقیناً یہ عمل بھی مسلمانوں کے درمیان اتحاد کے قیام کے لیے بڑا موثر ہے۔سال میں دومرتبہ عیدین کے مواقع پر دوگانہ نماز کی ادائیگی کے لیے عیدگاہ کا انتخاب اس لیے بھی بہترین ہے کہ وہاں نہ صرف ایک قصبے یا شہر کے لوگ جمع ہوں؛ بلکہ قرب وجوار کی بستیوں وگاؤں کے مسلمان بھی اکٹھے ہوں، ایک ساتھ اللہ سامنے کھڑے ہوں، آپس میں کاندھے سے کاندھا ملائیں۔اس موقع پر ایک دوسرے کو مبارکباد بھی پیش کریں اور ایک دوسرے کے احوال سے بھی واقف ہوں۔

عالمی سطح پر مسلمانوں کے درمیان اتحاد واجتماعیت قائم کرنے کے لیے باری تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے ایک بڑے اور بین الاقوامی اجتماع کا موقع حج کی شکل میں عنایت فرمایا۔صاحبِ استطاعت افراد کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے اپنے ملکوں وخطوں سے سفر کریں، بیت اللہ میں جمع ہوں جو امن وسلامتی کا مرکز ہے؛ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حج کے ایام میں ہر خطے اور ہر ملک کے مسلمان بیت اللہ شریف میں مجتمع ہوتے ہیں اور مخصوص دنوں میں طواف کرتے ہیں، ارکانِ حج ادا کرتے ہیں، منیٰ میں جاتے ہیں، کوہِ صفا اور مروا پر دوڑ لگاتے ہیں۔اسی اثنا میں انھیں ایک دوسرے کے ساتھ گفت وشنید اور باہم متعارف ہونے کا موقع بھی ملتا ہے۔ان کے لیے اس بات کا موقع ہوتا ہے کہ وہ اپنے علاقوں کے حالات و واقعات ایک دوسرے کو بتاسکیں، ایک دوسرے کے مشورے حاصل

کرسکیں۔ ساتھ ہی اس عظیم اجتماع سے یہ پیغام بھی ملتا ہے کہ پوری دنیا کے مسلمان اللہ کے دربار میں برابر ہیں۔ وہاں نہ کوئی چھوٹا ہے، نہ بڑا؛ سب کو ایک ہی جیسے اعمال کرنے ہیں سب کو لبّیک اَللّٰھُمَّ لبّیک کی صدائیں بلند کرنی ہیں، سب کو احرام باندھنا ہے.....

ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے محمود وایاز
نہ کوئی بندہ رہا، نہ کوئی بندہ نواز

حج اس بات کا مطالبہ کرتا ہے کہ مسلمان پورے اخلاص کے ساتھ اللہ کے آگے اپنے آپ کو جھکا دیں اور پورے طور پر اللہ کی اطاعت کریں۔ حج اس بات کا بھی تقاضہ کرتا ہے کہ کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کو کمتر یا حقیر نہ سمجھے۔ کوئی یہ خیال نہ کرے کہ وہ بڑا ہے یا امیر ہے، عہدیدار ہے یا شہرت یافتہ ہے اور دوسرا چھوٹا ہے یا غریب ہے یا عام آدمی ہے۔ جب انسان اپنے ذہن کو پاک صاف کرلے گا اور اپنی بڑائی کے خیال کو قلب سے نکال پھینکے گا تو مسلمان ایک دوسرے کے قریب آجائیں گے۔ اتحاد واجتماعیت کا جو ثبوت حجاجِ کرام حج کے موقع پر دیتے ہیں، وہی ثبوت اگر وہ اپنے اپنے علاقوں میں جاکر دیں تو مثبت اثرات ظاہر ہوں گے، اسی طرح جو باتیں وہ دورانِ حج سیکھتے ہیں، اگر اپنے اپنے خطوں وسوسائٹیوں میں جاکر دوسرے مسلمانوں کو بھی سکھائیں تو حج کی افادیت کا دائرہ پوری دنیا کے مسلمانوں پر پھیل جائے گا۔ افسوس! مسلمان حج کے ماحول کو اپنے وطن واپس لوٹ کر قائم نہیں رکھ پاتے اور اس پیغام کو عام نہیں کر پاتے جو انھیں دورانِ حج حاصل ہوتا ہے۔ حج کرنے والے کے بارے میں کہا گیا ہے کہ حج کرنے کے بعد حاجی ایسا ہوجاتا ہے جیسے وہ اپنی ماں کے پیٹ سے ابھی پیدا ہوا ہے، یعنی اس کے گناہ معاف کردیے جاتے ہیں اور وہ پاک صاف مسلمان بن جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ خدا کا جو بندہ اس مقام پر فائز ہوجائے، اس کی یہ کوشش ہونی چاہیے کہ وہ عوام الناس کے درمیان ایک پکا سچا مسلمان ہونے کا ثبوت بھی دے؛ تاکہ دوسرے مسلمانوں کے لیے بھی اس کی شخصیت مفید وموثر ثابت ہو، مسلمانوں کی اکثر سوسائٹیوں میں ان لوگوں کی اچھی خاصی تعداد پائی جاتی ہے جو حج کی سعادت حاصل کرچکے ہیں۔ اگر تمام حجاج کرام لوگوں کے سامنے اسلام کی باتیں کریں گے اور جو تربیت انھوں نے حج کے دوران حاصل کی ہے، اُسے لوگوں میں تقسیم کریں گے تو سماج اور افراد کی اصلاح کا موثر سامان فراہم ہوجائے گا۔ اسی طرح اگر وہ اپنے اپنے علاقے کے مسلمانوں کو اتحاد کی دعوت دیں گے اور اسے اپنا مشن بنائیں گے تو اس کے مثبت اور بہتر نتائج سامنے آئیں گے۔ کاش! حجاجِ کرام حج کے اس پیغام کو سمجھیں، اسے عام کرنے پر کمربستہ ہوں اور اپنی کوششوں کو وقت کی ضرورت کے مطابق مسلمانوں کے درمیان اتحاد واجتماعیت قائم کرکے انھیں بحیثیت ایک امت وملت تقویت پہنچانے کا کام کریں۔ ☆☆

# اختلاف اور آداب اختلاف

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

''فکر ونظر کا اختلاف انسانی معاشرے کی ایک بنیادی حقیقت اور فطری امر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک جاننے، سوچنے اور سمجھنے والا دِماغ عطا کیا ہے۔ ہر انسان کے تخیل کی پرواز اور زاویہء نظر جداگانہ ہے، یہی صلاحیت معاشرے میں ہمہ جہت ترقی اور رشد وارتقاء کا باعث بنتی ہے۔ افکار ونظریات اور کسی موضوع سے متعلق نقطہء نظر کا اظہار آداب اختلاف کے معیارات کے مطابق ہو تو معاشرے میں مثبت قدریں پروان چڑھتی ہیں۔ کسی مفکر نے ایک جگہ کہا کہ اختلاف رائے صرف دو صورتوں ہی میں ختم ہوسکتا ہے: افراد میں سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ختم ہو جائے یا پھر معاشرے پر آمریت نافذ کر دی جائے کہ جو آمر کہے وہی حرف آخر ہو۔ ظاہر ہے پہلی صورت ممکن نہیں اور دوسری صورت پسندیدہ نہیں ہے۔

اظہار بیان کے دوران مختلف خیالات، آراء اور نظریات کا احترام اور تہذیب گفتگو کا خیال نہ رکھا جائے نیز شرکائے مباحثہ کا ادب واحترام ملحوظ خاطر نہ رہے تو پراگندگی فکر اور لڑائی جھگڑے جنم لیتے ہیں۔ اس وقت ہمارے معاشرے کی صورتحال کچھ ایسی ہی ہے۔ الیکٹرانک میڈیا، سوشل میڈیا، گفتگو کی مجالس، اور سیاسی مباحثوں میں تندی وتیزی، طعن وتشنیع اور غیر اخلاقی وغیر معیاری گفتگو سکہ رائج الوقت ہے۔ بعض ٹی وی شوز اور مباحثوں میں اخلاقی دیوالیہ پن بہت نمایاں ہے۔ صورت حال یہ ہے کہ ہمارے دینی طبقات میں بھی یہ بات در آئی ہے کہ اپنے افکار ونظریات اور خیالات کے علی الرغم کوئی بات سننے اور اس پر غور کرنے کے لیے کم ہی تیار نظر آتے ہیں۔ معمولی اختلاف پر سوشل میڈیا پر رکیک اسلوب کے حامل مضامین لکھے جاتے ہیں۔ قابل احترام شخصیات پر کیچڑ اچھالا تا ہے۔ کوئی ادارہ زد میں آجائے تو اس کی دھجیاں بکھیرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ظاہر ہے یہ بہت افسوس ناک طرز عمل ہے؛ جس کی اصلاح نہایت ضروری ہے۔ ذیل میں برصغیر کے ممتاز عالم دین حضرۃ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی زید مجدہم کا ادب الاختلاف کے حوالے سے ایک اہم مضمون بطور تذکیر پیش کیا جارہا ہے۔'' (ادارہ)

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو تنوع اور اختلاف کی اساس پر پیدا کیا ہے۔ دنیا کی تمام چیزوں میں یہ کیفیت نمایاں ہے۔ نباتات اور درختوں کو دیکھیے! کوئی سبز ہے، تو کوئی زرد اور کوئی سرخ۔ ہر ایک کے پتوں کے ڈیزائن الگ الگ ہیں۔ پھلوں کی جسامت اور شکل مختلف ہے۔ رنگ وروپ کے ساتھ ساتھ مزے بھی الگ الگ ہیں اور ان کے

اثرات اور خاصیتیں بھی جدا جدا ہیں۔ یہی صورتِ حال جانوروں میں ہے اور یہی طرزِ تخلیق بنی نوع انسان میں بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح انسان کے رنگ و روپ، قد و قامت، جسمانی ساخت اور آواز میں فرق رکھا ہے، اسی طرح ان کے اندازِ فکر میں بھی فرق واقع ہوا ہے۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ کسی کو سفید رنگ پسند ہے اور کسی کو سرخ، کسی کو سیاہ اور کسی کو سبز۔ کسی کی ترجیح سیب ہے اور کسی کی انار۔ کسی کو گرم موسم راس آتا ہے، کسی کو سرد موسم۔ اسی اختلافِ ذوق سے کائنات کی رنگارنگی قائم ہے، ورنہ یہ پوری دنیا یک رنگ ہو جاتی اور جو نظارہ اس وقت ہمیں دیکھنے کو ملتا ہے، آنکھیں اس سے محروم رہتیں۔

اسلام، چوں کہ دینِ فطرت ہے، اس لیے اس نے انسان کو فکر و نظر کے اعتبار سے ایسے بے لچک احکام نہیں دیے کہ اس کے لیے غور و فکر کا کوئی میدان باقی نہ رہ جائے۔ اللہ تعالیٰ نے حق کا راستہ دکھایا اور حق پر چلنے والوں کے لیے جنت، جب کہ باطل کا راستہ اختیار کرنے والوں کے لیے دوزخ قائم کر دی۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہدایت یافتہ لوگوں کو پابند کرتا کہ وہ گمراہ لوگوں کو بزورِ طاقت اللہ کے بھیجے ہوئے دین کو قبول کرنے پر مجبور کر دیں، لیکن قرآن میں ایسا حکم نہیں دیا گیا بلکہ فرمایا گیا کہ ہدایت اور گمراہی پوری طرح واضح ہے۔ اب دین کے معاملے میں کوئی جبر روا نہیں، البتہ آخرت میں انسان کے اعمال کے اعتبار سے ثواب و عذاب کا فیصلہ ہوگا:

**لَآ اِكْـرَاهَ فِـى الـدِّيْـنِ قف قَدْتَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ج فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ يُؤْمِنْم بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ○(البقرہ۲:۲۵۶)**

’’دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے، ہدایت ضلالت سے ممتاز ہو چکی ہے، اب جو کوئی طاغوت کا انکار کرتا ہے اور اللہ پر ایمان لاتا ہے تو وہ مضبوط سہارے کو تھام لیتا ہے، ایک ایسا سہارا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں۔ اور اللہ خوب سننے والا اور خوب جاننے والا ہے۔‘‘

## احکامِ دین میں درجہ بندی:

انسان کو جو احکام دیے گئے، ان میں کچھ تو وہ ہیں جن کا قرآن و حدیث سے یقینی طور پر ثبوت ہے اور ان کا مفہوم بھی اتنا واضح ہے کہ انسان کا ذہن فوراً ان کے معنی و مقصود کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ ایسے احکام فقہ کی اصطلاح میں قطعی احکام کہلاتے ہیں، یعنی ان کا ثبوت بھی یقینی ہے اور اس کلام کی اپنے معنی و مفہوم پر دلالت بھی واضح ہے۔ ان احکام کی حیثیت دین کی حدودِ اربعہ کی ہے۔ کسی مسلمان کے لیے ان سے باہر چلے جانا جائز نہیں، بلکہ اس سے باہر نکلنا انسان کو دائرہ ایمان ہی سے باہر کر دے گا، جیسے اللہ تعالیٰ کا ایک ہونا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلسل؟ نبوت

کا ختم ہوجانا، آپؐ کا معصوم ہونا، پانچ وقت کی نماز کا فرض ہونا، قرآن وحدیث کا دین میں حجت ہونا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی ایسے انسان کا نہیں آنا جو معصوم ہو اور جس کا قول وفعل حجت ہو، نیکوکاروں کے لیے آخرت میں جنت کا ہونا، نجات کے لیے شریعت محمدی پر ایمان کا ضروری ہونا وغیرہ۔ یہ اور اس طرح کے بہت سے عقائد و اعمال وہ ہیں، جو قرآن وحدیث سے پوری تصریح کے ساتھ ثابت ہیں، ان کا انکار بالواسطہ کتاب وسنت کا انکار کرنا ہے، اس لیے اگر کوئی شخص اس سے اختلاف کرتا ہے، تو وہ ہدایت سے محروم ہے۔

دوسرا درجہ ان احکام کا ہے، جو ایسی حدیثوں سے ثابت ہیں کہ محدثین کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ان کی نسبت یقین کے درجے میں نہیں ہے، یا ان کے بارے میں ایک سے زیادہ روایتیں ہیں اور ان کا مضمون ایک دوسرے سے کسی قدر مختلف ہے۔ البتہ یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل میں کوئی تضاد نہیں ہوسکتا۔ اس لیے یہ اختلاف نقل کرنے والوں کی غلط فہمی کی وجہ سے واقع ہوا ہے، یا اس لیے کہ آپ کے مختلف ارشادات ومعمولات کا موقع ومحل الگ الگ ہے۔ راوی اس کی وضاحت نہیں کرسکا، یا اس لیے کہ ایک حکم پہلے کا ہے اور دوسرا بعد کا۔ اسی طرح بعض مسائل ثابت تو ہوتے ہیں یقینی دلیلوں سے، لیکن ان میں ایک سے زیادہ معنوں کا احتمال ہوتا ہے، کیوں کہ ہر زبان کی طرح عربی زبان میں بھی ایسے الفاظ موجود ہیں، جن کے ایک سے زیادہ مفہوم ہوسکتے ہیں، یا ایک حقیقی معنی ہوتا ہے اور تشبیہ کے طور پر دوسرے معنی میں بھی اس لفظ کا استعمال ہوتا ہے، نیز بعض احکام ایسے بھی ہوتے ہیں، جن کا قرآن وحدیث میں صریحاً ذکر نہیں ہوتا۔ فقہا ان کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفقاءِ عالی مقام صحابہ کرامؓ کے فتاویٰ سے روشنی حاصل کرتے ہیں، اور اگر ان میں اختلاف رائے ہوتا ہے، تو خود کتاب وسنت سے مستنبط اُصولوں اور نظیروں کو سامنے رکھ کر رائے قائم کرتے ہیں۔ یہ احکام جو اپنے ثبوت یا وضاحت کے اعتبار سے یقینی درجے کے حامل نہیں، ان کو ظنی اور اجتہادی مسائل کہا جاتا ہے۔

اختلاف رائے اور اجتہاد:

گذشتہ اُمتوں میں اللہ کے رسولوں اور پیغمبروں ہی کے ذریعے اللہ کے احکام کی وضاحت ہوتی تھی اور وہی اس مقام پر فائز تھے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کی برکت سے اس اُمت کو یہ اعزاز بخشا گیا کہ اس کے علما ایسے مسائل میں اجتہاد سے کام لیں، بشرطیکہ وہ احکامِ شریعت میں اجتہاد کرنے کے اہل بھی ہوں۔ آپؐ نے نہ صرف اجتہاد کی تلقین کی ہے، بلکہ حوصلہ افزائی کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر کسی فقیہ کا اجتہاد درست اور صائب نکلے، تو

اس کو تو دہرا اجر ہے، لیکن جس سے اجتہاد میں چوک ہو جائے وہ بھی اجر سے محروم نہیں رہے گا۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا دنیا میں ان دو میں ایک اجتہاد کو غلط کہا جائے گا؟ جب کہ ہمارے سامنے یقینی طور پر کسی رائے کا صحیح اور کسی کا غلط ہونا واضح نہیں ہے، تو اس سلسلے میں ایک رائے یہ ہے کہ دونوں کو صائب ہی سمجھا جائے گا اور اس اختلاف رائے کی حیثیت ایسی ہوگی، جیسے بعض غلطیوں کے مختلف کفارات متعین کیے گئے ہیں اور انسان کو اس کی صلاحیت اور استطاعت کے اعتبار سے کفارہ ادا کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ یہ رائے مختلف علما اور ہندستان کے علما میں حضرت شاہ ولی اللہؒ کی ہے۔

دوسری رائے یہ ہے کہ اس میں ایک ہی رائے درست سمجھی جائے گی اور دوسری خطا، لیکن ہر دو نقطہ نظر میں درستی اور نادرستی کے احتمال کو تسلیم کیا جائے گا۔ یہ زیادہ تر اہلِ علم کی رائے ہے، لیکن اجتہاد میں خطا نہ دنیا میں قابلِ گرفت ہے نہ آخرت میں۔

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری کی رائے ہے کہ کن آرا میں کس فقیہ کی رائے درست تھی اور کن کی غلط؟ میدانِ حشر میں بھی اللہ تعالیٰ اس کو ظاہر نہیں فرمائیں گے۔ علامہ کشمیریؒ کی یہ رائے سمجھ میں آتی ہے، کیوں کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کا اعزاز فرمائیں گے اور یہ بات کہ ان کی کمزوریوں کو حشر میں ظاہر کیا جائے، ان کے اعزاز و توقیر کے خلاف محسوس ہوتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کی اجازت دینے اور اجتہادی غلطی کو قابلِ عفو قرار دینے میں یہ بات شامل ہے کہ شریعت کے بہت سے احکام وہ ہیں جن میں ایک سے زیادہ رائے کی گنجایش ہے اور ان میں فقہاے اُمت کے درمیان اختلاف ہوسکتا ہے، نیز یہ کوئی مذموم اور ناپسندیدہ بات نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کو یہ بات منظور ہوتی کہ احکامِ شریعت میں کوئی اختلاف نہ ہو، تو جیسے قرآن میں ایمانیات کو واضح کر دیا گیا ہے، اسی طرح تمام عقائد اور اعمالِ صالحہ کو ایسی وضاحت سے بیان کر دیا گیا ہوتا کہ صحابہ اور بعد کے دور میں فقہا کے درمیان کوئی اختلاف پیدا نہیں ہوتا، کیوں کہ یہ بات یقیناً خداے علام الغیوب کے علم میں تھی کہ میرے بندوں میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے، جن کے درمیان اس کی تشریح و توضیح میں اختلاف ہوگا۔

## اختلاف رائے اور صحابہؓ کا طرزِ عمل

یہ اختلاف رائے اُمت کے لیے زحمت نہیں رحمت ہے۔ اُمت کے ایک بڑے فقیہہ علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ نے لکھا ہے کہ اس اُمت کا اتفاق حجتِ قاطعہ ہے اور اس کا اختلاف رحمت واسعہ ہے (مقدمۃ المغنی)۔ یہ بات مختلف علما نے لکھی ہے، جن میں شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ بھی شامل ہیں۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے سامنے صحابہ کے درمیان بعض مسائل میں اختلاف پیدا ہوا یا اس کی تشریح وتوضیح مختلف حضرات نے الگ الگ طور پر کی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا برا نہیں مانا، مثلاً غزوہ خندق کے بعد آپؐ نے اعلان فرمایا کہ تمام لوگ بنوقریظہ کی طرف کوچ کریں اور وہیں عصر کی نماز پڑھیں۔ اب بعض حضرات نے اس کا مطلب سمجھا کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ بلا تاخیر بنوقریظہ کی طرف نکل جائیں، یہ مقصد نہیں ہے کہ لازماً بنوقریظہ ہی میں نمازِ عصر ادا کی جائے، اس لیے وہ مدینہ سے فوراً روانہ ہوگئے، لیکن راستے میں نماز پڑھتے ہوئے بنوقریظہ تشریف لائے۔ بعض نے تعمیل حکمِ نبویؐ کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا کہ بنوقریظہ پہنچ کر ہی نمازِ عصر ادا کی اور ان میں سے کسی گروہ پر بھی نکیر نہیں کی گئی۔ اسی طرح آیت تیمّم نازل ہونے کے بعد ایک سفر میں حضرت عمرؓ اور حضرت عمار بن یاسرؓ دونوں کو غسل کی ضرورت پیش آئی اور پانی میسر نہیں تھا۔ اب حضرت عمر نے اجتہاد کیا۔ ان کو خیال ہوا کہ تیمّم صرف وضو کی جگہ پر کفایت کرتا ہے۔ اگر غسل واجب ہو جائے تو یہ کافی نہیں، اور حضرت عمار بن یاسرؓ اس نتیجے پر پہنچے کہ جب وضو کا تیمّم، چہرہ اور ہاتھ کا مسح ہے تو غسل کا تیمّم پورے بدن کا مسح ہے، اس لیے وہ ریت میں لوٹ گئے، تاکہ پورے بدن کا تیمّم ہو جائے۔ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ واقعہ پیش کیا گیا تو آپ نے کسی کی مذمت نہیں فرمائی، بلکہ فرمادیا کہ تیمّم غسل کا بھی قائم مقام ہے اور ہر صورت میں تیمّم کا ایک ہی طریقہ ہے۔ اگر اجتہاد کی بنا پر پیدا ہونے والا اختلاف مذموم وناپسندیدہ ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا ہوتا۔

یوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پوری اُمت بلکہ پوری انسانیت کے معلم ومربی تھے، لیکن جس مقدس گروہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست استفادے کی سعادت مقرر فرمائی تھی، وہ ہیں صحابہ کرامؓ۔ صحابہ کے درمیان سیکڑوں مسائل میں اختلاف رائے پایا جاتا تھا، مگر نہ وہ اسے بُرا سمجھتے تھے اور نہ یہ ان کے درمیان باہمی محبت، تعلق، ایک دوسرے کی اقتدا اور ایک دوسرے کی خوبیوں کے اعتراف میں رکاوٹ بنتا تھا۔ عملی احکام سے زیادہ اہمیت اعتقادی احکام کی ہوتی ہے، لیکن ان میں بھی بعض امور میں صحابہ کے درمیان اختلاف رائے پایا جاتا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی رائے تھی کہ معراج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوا اور اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس سے انکار تھا۔ ان کی رائے ہے کہ معراج کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیلؑ کو اپنی اصل شکل میں دیکھا تھا، حالاں کہ یہ دونوں صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ترین اہلِ تعلق ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ چچازاد بھائی ہیں اور کم عمر ہونے کی وجہ سے شب وروز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا کرتے تھے، اور حضرت عائشہؓ نہ صرف ازواجِ مطہرات میں ہیں، بلکہ انھیں ازواج میں بھی خصوصی مقام حاصل تھا۔ اسی طرح بعض صحابہ کا خیال تھا کہ میت کے اہلِ خانہ کے میت پر رونے اور آہ وبکا کرنے کی وجہ سے میت

پر عذاب ہوتا ہے، لیکن حضرت عائشہؓ اس کی قائل نہیں تھیں۔ اسی طرح بعض صحابہؓ کی رائے تھی کہ مُردے سنتے ہیں اور دوسرا نقطہ نظر تھا کہ مُردے نہیں سنتے۔ غرض کہ وہ عقائد جن پر اہلِ سنت والجماعت متفق نہیں ہیں، ان میں صحابہؓ کے دور میں بھی اختلاف رہا ہے۔

عملی مسائل میں تو اختلاف کی کثرت رہی ہے، اب تو صحابہ کے فتاویٰ اور اقوال کو کتابی شکل میں جمع بھی کر دیا گیا ہے۔ اس اختلاف کی وجہ سے کبھی اُمت میں کوئی جدال پیدا نہیں ہوا اور اس نے ان کے دلوں کو نہیں توڑا، بلکہ بعد کے فقہا نے اس اختلاف رائے کو تحسین کی نظر سے دیکھا، چنانچہ خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز علیہ الرحمہ سے منقول ہے: ''مجھے یہ بات پسند نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں کوئی اختلاف نہ ہوتا، اس لیے کہ اگر ہر مسئلے میں صحابہ کرامؓ کی ایک ہی رائے ہوتی، تو لوگ تنگی میں پڑ جاتے، کیوں کہ صحابہ اُمت کے مقتدیٰ ہیں۔ صحابہ کے اختلاف نے سہولت پیدا کر دی کہ اُمت کے افراد اگر ان میں سے کسی رائے کو قبول کر لیں تو ان کے لیے اس کی گنجایش ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ہی کے ہم عصر عون بن عبداللہ ہیں۔ یہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پڑپوتے ہیں اور تابعین کے ممتاز علما میں ہیں۔ الفاظ میں کسی قدر فرق کے ساتھ یہی بات ان سے بھی منقول ہے، وہ فرماتے ہیں: ''مجھے صحابہ کا اختلاف محبوب ہے، کیوں کہ اگر وہ کسی بات پر متفق ہوں اور اسے چھوڑ دیا جائے، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے سنت ہی کو چھوڑ دیا، اور ان کے اختلاف کا فائدہ یہ ہے کہ اگر اصحاب رسولؐ میں سے کسی رائے پر عمل کیا جائے تو اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سنت پر عمل کر لیا''۔

الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ اسی طرح کی بات امام قاسم بن محمد سے بھی منقول ہے جو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پڑپوتے ہیں اور تابعین کے عہد کے اکابر فقہا میں ان کا شمار ہے۔

**اختلاف رائے: وسعت اور گنجایش کا نام:**

اختلافی مسائل میں فراخ چشمی، کشادہ قلبی اور اس کو اہمیت نہ دینے کا رویہ ہمیشہ سے علما کا طریقہ رہا ہے۔ مشہور محدث یحییٰ بن سعید انصاری کا قول ہے کہ اہلِ علم کے درمیان حلال وحرام کا بعض مسائل میں بھی اختلاف ہوتا رہا ہے، لیکن کبھی ایسا نہیں ہوا کہ جس نے کسی چیز کے حرام ہونے کا فتویٰ دیا، اس نے اپنے مخالف فتویٰ دینے والے کو یہ سمجھا ہو کہ اس نے اپنے لیے ہلاکت کا راستہ اختیار کیا، اور نہ ایسے امور کو حلال ہونے کا فتویٰ دینے والے دوسرے فریق کو گمراہ اور ہلاکت کا راستہ اختیار کرنے والا قرار دیا ہو۔ نہ یہ ان پر کوئی عیب لگاتا اور نہ وہ ان پر کوئی عیب لگاتا۔ اختلاف کے لفظ سے چوں کہ بظاہر ایک دوسرے سے دُور ہونے کی بُو آتی ہے، اس لیے بعض علما تو اختلاف کی تعبیر کو

بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ علامہ ابن تیمیہ نے امام احمد کے بارے میں نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے فقہا کے اختلاف پر ایک کتاب مرتب کی اور اس کا نام کتاب الاختلاف رکھا۔ امام احمد نے فرمایا کہ اسے کتاب الاختلاف نہ کہو بلکہ یہ 'کتاب السعۃ' ہے۔ (مجموع الفتاویٰ)، یعنی فقہا کا اختلاف اُمت کے لیے سہولت اور گنجایش کا نام ہے۔

اختلاف کے معاملے میں وسعت اور گنجایش کی بہترین مثال امام دارالہجرہ حضرت امام مالکؒ کی ہے، جن کی کتاب موطا امام مالک حدیث کی دستیاب کتابوں میں پہلی کتاب ہے۔ ان سے عہد عباسی کے کم سے کم دو خلفا نے یہ خواہش کی کہ جیسے حضرت عثمان غنیؓ نے قرآن کو جمع فرمایا اور تمام مسلمانوں پر اس نسخے کو لازم قرار دیا، اسی طرح ہم آپ کی کتاب کو پوری اُمت پر لازم قرار دینا چاہتے ہیں۔ اگر کوئی بندۂ نفس ہوتا تو اس کے لیے یہ لوگوں پر اپنی بات کو مسلط کرنے کا سنہرا موقع ہوتا، لیکن امام مالک نے اس رائے کو پسند نہیں فرمایا۔ آپ نے فرمایا:

علما کا اختلاف رائے اس اُمت کے حق میں اللہ کی طرف سے رحمت ہے۔ جس کے نزدیک جو نقطۂ نظر زیادہ درست ہے، وہ اس کی پیروی کرتا ہے۔ اس لیے یہ سب کے سب ہدایت پر ہیں اور ہر ایک کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا ہے۔ كُلٌّ هُدًى وَكُلٌّ يُرِيدُ اللّٰهَ (کشف الخفاء)

امام مالک کا یہ قول جہاں ان کے اخلاص وللّٰہیت کی دلیل ہے، وہیں اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ فقہا اور محدثین اجتہادی مسائل میں اختلاف رائے کو کس نظر سے دیکھتے تھے۔

قلب ونظر کی اسی وسعت کا نتیجہ تھا کہ وہ ایک دوسرے کی اقتدا میں نماز ادا کرتے تھے۔ صحابہ، تابعی اور ائمہ مجتہدین کے دور میں کبھی یہ سوال پیدا نہیں ہوا کہ ہم مخالف نقطۂ نظر کے حامل شخص کے پیچھے نماز ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟ امام احمد کے یہاں خون نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور امام مالک کے نزدیک وضو نہیں ٹوٹتا۔ امام احمد سے مسئلہ دریافت کیا گیا کہ اگر کسی شخص نے پچھنا لگوایا ہو، یعنی جسم کا فاسد خون نکلوایا ہو تو کیا اس کے پیچھے نماز پڑھی جا سکتی ہے؟ امام احمد نے فرمایا: سبحان اللہ! کیا میں امام مالک اور سعید بن مسیّب جیسے بزرگوں کے پیچھے نماز نہیں پڑھوں گا؟

خون کے نکلنے سے وضو کے ٹوٹ جانے کا جو نقطۂ نظر امام احمد کا ہے، یہی امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا بھی ہے، جن میں امام ابو یوسف شامل ہیں۔ انھوں نے خلیفہ ہارون الرشید کے پیچھے نماز ادا کی، حالاں کہ خلیفہ نے خون نکلوایا تھا اور امام مالک کے فتویٰ کے مطابق وضو نہیں کیا تھا۔ جب ان سے اس بارے میں دریافت کیا گیا تو انھوں نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: ''کیا میں امیر المومنین کے پیچھے نماز نہ پڑھوں؟'' پھر ایک اصولی بات فرمائی کہ ایسے اختلافات کی وجہ سے ائمہ کے پیچھے نماز نہ پڑھنا اہلِ بدعت کا طریقہ ہے۔

امام ابو یوسف کا ایک واقعہ مشہور ہے کہ انھوں نے غسل کیا اور جمعہ کی نماز پڑھائی۔ بعد میں انھیں بتایا گیا کہ

کنویں میں مُردہ چوہا پایا گیا ہے۔امام ابو یوسف کی اصل رائے کے مطابق وضو درست نہیں ہوا اور ظاہر ہے کہ جب وضو ہی درست نہیں ہوا، تو اصولی طور پر نماز لوٹانی چاہیے۔لیکن اس میں دشواری تھی، اس لیے امام ابو یوسف نے نماز نہیں لوٹائی اور فرمایا: آج ہم علماے مدینہ کی رائے پر عمل کرتے ہیں، جن کے نزدیک دو مٹکے سے زیادہ پانی ہو تو جب تک نجاست کے گرنے سے تبدیلی نہ پیدا ہو، پانی ناپاک نہیں ہوتا۔

فقہائے شوافع کے نزدیک پرندوں کی بیٹ بھی ناپاک ہوتی ہے۔قاضی ابوالطیب بڑے شافعی عالم تھے۔جب جمعہ کی نماز شروع ہوئی اور انھوں نے تکبیر کہنے کا ارادہ کیا تو پرندے نے ان پر بیٹ کر دی۔انھوں نے تحریمہ باندھ لیا اور کہا کہ آج میرا عمل امام احمد کی رائے پر ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ بات اس پس منظر میں ہے کہ ان علما کی شرعی دلائل پر نظر تھی، البتہ عوام کو کھلی چھوٹ نہیں دی جا سکتی کہ وہ جس قول پر چاہے عمل کر لیں، کیوں کہ اس سے خواہشاتِ نفس کی اتباع کا راستہ کھل جائے گا۔لیکن اہلِ علم کو اس سلسلے میں وسیع النظر ہونا چاہیے اور فقہا کے اس اختلاف کو اس نظر سے نہیں دیکھنا چاہیے کہ یہ حق و باطل کا اختلاف ہے، کیوں کہ سلف اس بات پر متفق ہیں کہ ایسے مسائل میں مختلف نقطۂ نظر کے حاملین حق پر ہیں اور ان سب کا بنیادی مقصد اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہے۔ایسی وسیع القلبی کی مثالیں بعد کے ادوار میں بھی کثرت سے ملتی ہیں۔ان دنوں حرمین شریفین میں نمازِ وتر کا جو طریقہ اختیار کیا جاتا ہے، فقہاے احناف کے یہاں وہ درست نہیں۔لیکن امام ابوبکر جصاص رازی، علامہ ابن ہمام ان کے استاذ شیخ سراج الدین، اور ماضی قریب کے علما میں مولانا عبدالحی فرنگی محلی وغیرہ جو اپنے اپنے عہد کے فقہاے احناف کے سرخیل رہے ہیں، کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ ایسے امام کی اقتدا میں کوئی حرج نہیں ہے۔اس لیے ضروری ہے کہ ہم اس طرح کے مسائل میں اختلاف رائے کو نہ بُرا سمجھیں، نہ اس کو مناظرہ اور مجادلہ کا موضوع بنائیں اور نہ ان آرا کی وجہ سے ایک دوسرے کے ساتھ بے احترامی کا رویہ اختیار کریں۔

☆.....☆.....☆

# علامہ ذہبی رحمہ اللہ اور تذکرۃ الحفاظ میں ان کا اسلوبِ تالیف

مولوی محمد انس بن عطاء

علمِ حدیث اور علمِ رجال سے ادنیٰ سا تعلق رکھنے والے پر علامہ ذہبیؒ کا مقام ومرتبہ، اور علمِ رجال میں آپؒ کی مہارت تامہ مخفی نہیں ہے، آپؒ کی علمِ حدیث ودیگر علمی موضوعات کی تصانیف مشہور ومعروف ہیں، اور آپؒ کی ہر ایک کتاب کو بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

آپؒ کی ان تالیفات میں سے ایک اہم تالیفِ لطیف اور فنِ اسماء الرجال سے متعلق **تذکرۃ الحفاظ** کے اسلوب ومنہج اور اس کے خصائص کا بیان آنے والی سطور میں قلم وقرطاس کے سپرد کیا جارہا ہے۔

## مصنف کے احوالِ زندگی:

علامہ ابن حجر عسقلانی (م:۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

"آپ کا نام "محمد بن احمد بن عثمان بن قایماز بن عبداللہ، کنیت "ابوعبداللہ"، لقب "الذہبی" ہے۔

ولادت ۳ ربیع الاول ۶۷۳ھ میں ہوئی، اصلاً ترکمانی ہیں، لیکن پیدائش اور وفات دمشق میں ہوئی، علم کے لیے مختلف شہروں کا سفر کیا، وفات سے چند سال قبل آنکھوں کی بینائی سے محروم ہوئے، سینکڑوں تصانیف آپ کے قلم سے منصۂ شہود پر آئی ہیں"۔(1)

## ابن ذہبی یا ذہبی؟

اس حوالہ سے دونوں طرح کے اقوال ہیں:

(۱) ابن ذہبی ہے؛ اس لیے کہ "ذہبی" آپ کے والد کا لقب تھا؛ کیونکہ وہ پسے ہوئے سونے کے پیشہ سے وابستہ تھے، تو ان کا لقب "ذَہَبی" (یعنی سونے کی صنعت سے منسلک آدمی) پڑ گیا، اور والد کی طرف نسبت کی وجہ سے آپؒ کو "ابنِ ذہبی" کہا جاتا ہے۔ چنانچہ آپ کی اپنی کچھ کتابوں پر لکھی ہوئی تحریروں میں یہی رقم ہے۔

(۲) ابتداء میں آپ بھی والد کے ساتھ اسی سلسلہ تجارت سے منسلک تھے، بعد میں اسے ترک کر دیا، اسی وجہ سے آپ کو بھی اس لقب کے ساتھ ملقب کیا گیا، اور آپ کے معاصرین وتلامذہ مثلاً علامہ تاج الدین سبکی (م:۷۷۱ھ) اور عماد الدین ابن کثیر دمشقی (م:۷۷۴ھ) نے "ابن ذہبی" تحریر کیا ہے۔(2)

حصولِ علم اور سفرِ علم:.....علامہ شوکانیؒ (م:۱۲۵۰ھ) آپؒ کے علمی سفر کے بارے میں رقم طراز ہیں:

"علامہ ذہبی نے علمی سفر کا آغاز (۶۹۰ھ) کے بعد کیا، اولاً علامہ ابن عساکر دمشقی سے خوب استفادہ کیا، پھر قاہرہ کی طرف کوچ کیا، اور وہاں کے مشائخ (خصوصا) علامہ دمیاطی، ابن الصواف کی خدمت میں رہ کر اپنی علمی پیاس بجھائی، نیز تقریباً تیس (۳۰) شہروں کی طرف سفر کرنے کے بعد فنِ حدیث میں خوب مہارت حاصل کی، اور ڈھیر ساری کتابیں صرف اس فن میں تالیف فرمائی"۔(3)

مشہور اساتذہ ومشائخ:

"آپؒ کے معروف اساتذہ میں علمِ رجال کے ماہر علامہ مزیؒ (م:۷۴۲ھ)، شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ (۷۲۷ھ)، اور ابو محمد القاسم بن محمد البرزلی (م:۷۳۹ھ) جیسی نابغہ روزگار شخصیات شامل ہیں"۔

حافظ ذہبیؒ اور علامہ ابن تیمیہؒ:

حافظ ذہبیؒ کو اپنے شیوخ میں سب سے زیادہ قلبی لگاؤ اور محبت "علامہ ابن تیمیہؒ" سے تھی، اور انہی سے سب سے زیادہ متاثر دکھائی دیئے، جبکہ حافظ نے آپؒ کو "**الشیخ، الإمام، العلامة، الناقد، الفقیه، المجتهد، المفسر، البارع، شیخ الإسلام، علم الزهاد، نادرة العصر**".....جیسے بلند القابات سے نوازا، حتیٰ کہ غایت عقیدت میں یہاں تک کہہ دیا:

**"وهو أكبر من أن ينبّه مثلي على نعوته، فلو حُلِّفتُ بين الركن والمقام، لحلفت أني مارأيت بعينيَّ مثله، ولا الله مارأىٰ مثلَ نفسه"**۔

"آپ کا مقام اس سے بلند ہے کہ مجھ جیسا شخص ان کے اوصاف بیان کرے، اگر میں مقام ابراہیم اور رکن یمانی کے درمیان قسم اٹھاؤں تو کہہ سکتا ہوں کہ بخدا میں نے اپنی آنکھوں سے آپ جیسی شخصیت نہیں دیکھی اور قسم اللہ کی نہ آپؒ نے علم میں اپنا مثل دیکھا"۔

وفات:

آپ کو انتقال سے چار سال پہلے آشوبِ چشم کا مرض لاحق ہوگیا تھا، جس کی وجہ سے بینائی سے محروم ہوئے، اور وفات تک اسی حالت میں رہے، اس دوران اگر کوئی علاج کا مشورہ دیتا، اس پر غصہ کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے:

**"إنما أنا أعرف بنفسي، لأنني ما زال بصري ينقص قليلا قليلا إلى أن تكامل عدمه"**۔

"مجھے اپنی حالت کا زیادہ علم ہے، میری بصارت آہستہ آہستہ جاتی رہی حتی کہ اب مکمل ختم ہوگئی"۔

بالآخر اسی مرض میں شب دوشنبہ، ۳ ذی القعدہ، سن ۷۴۸ھ کو علم وعمل کا یہ آفتاب وماہتاب غروب ہوگیا۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔(6)

تصنیفات وتالیفات:

اگرچہ آپ کو تقریباً تمام علوم وفنون پر کامل دسترس تھی ،لیکن تصنیف کے لیے آپ نے علمِ حدیث کے میدان چنا کیا، اور فنِ جرح وتعدیل، مصطلحاتِ حدیث، اسماء الرجال، عقائد، علمِ فقہ، تراجم، اور فنِ تاریخ میں عاشقانِ علم کے روبرو بیش بہا تصنیفات پیش کیں۔ ذیل میں آپ کی کتب مؤلفہ میں سے چند ناموں کا ذکر کیا جاتا ہے:

**سیر أعلام النبلاء** (25 جلدیں)، **تاریخ الإسلام ووفیات مشاهیر الأعلام**، **تذکرة الحفاظ**، **الموقظة فی علم مصطلح الحدیث**، **العذب السلسل فی الحدیث المسلسل**، **میزان الاعتدال فی نقد الرجال**، **العبر فی خبر من غبر**، **ائمه اربعه متبوعین**. نیز ائمہ احناف میں سے صاحبین کے تراجم پر مشتمل تصانیف سمیت سینکڑوں کتابیں شامل ہیں، جن کی تعداد تقریباً 215 ہے۔

تالیفات وتصنیفات کے ناموں کی مکمل فہرست موضوعات کی ترتیب پر شیخ بشار عواد معروف نے "**مقدمة سیر أعلام النبلاء** ." اور شیخ ابو ہاجر محمد السعید نے "**مقدمة العبر فی خبر من غبر**" میں جمع کر دی ہے۔ نیز مطبوع اور غیر مطبوع کی وضاحت بھی شامل کی ہے۔

''تذکرۃ الحفاظ'' ایک علمی شاہکار:

آپ نے جن کتابوں کی تالیف میں اہلِ علم سے اپنا لوہا منوایا، ان میں سے ''تذکرۃ الحفاظ'' جیسی کتاب کی تالیف کا سہرا بھی آپ کے سر ہے، جسے آپ کے بلند علمی مقام اور اس میں تحقیقی مزاج کے باعث اہل علم کے حلقوں میں خوب پذیرائی ملی۔

کتاب کا نام:

اربابِ قلم اور علمی حلقوں میں اس کتاب کی شہرت ''تذکرۃ الحفاظ''، اور ''طبقات الحفاظ'' دونوں ناموں سے ہے۔

علامہ سیوطیؒ نے ''طبقات الحفاظ''، علامہ کتانیؒ (۱۳۴۵ھ) نے **الرسالة المستطرفة** میں کتب طبقات کی بحث میں اس کا نام ''طبقات الحفاظ'' ذکر کیا۔

اور شیخ بشار عواد حفظہ اللہ نے **سیر أعلام النبلاء** کے مقدمہ میں، نیز **الکاشف فی معرفة من له روایة فی**

الکتب الستة کے مقدمہ میں فہرست تصانیف کے بیان میں لجنة العلماء نے اسے ''تذکرۃ الحفاظ'' کے نام سے موسوم کیا۔

## کتاب کے مطبوعہ نسخے:

کتاب کا ایک نسخہ وہ ہے جسے ہندوستان میں ''دائرۃ المعارف العثمانیہ'' (دکن) نے ۱۳۳۳ھ میں طبع کیا، اس کا ایک مصور ایڈیشن حرم مکی میں موجود اصل نسخہ سے تصحیح شدہ بیروت میں دار إحیاء التراث العربی سے ۱۳۷۶ھ کا طبع ہے، اور چاروں جلدوں کو دو جلدوں میں ضم کر کے شائع کیا گیا۔

علاوہ ازیں دار الکتب العلمیہ؛ بیروت سے بھی اس کا ایڈیشن شائع ہوا ہے، جس کے سرورق پر اس بات کی وضاحت شامل کی گئی ہے کہ ''اس نسخہ کی تصحیح حرم مکی میں موجود اصل نسخہ سے کی گئی ہے''۔

نیز ایک ایڈیشن دار الکتب العلمیہ والوں کی طرف سے شیخ زکریا عمیرات کے حواشی کے ساتھ پانچ جلدوں میں شائع ہوا ہے، اور اس کی پہلی طباعت کا سن ۱۴۱۹ھ ہے، نیز اس میں اس پر تینوں ذیول بھی شامل کئے گئے ہیں، البتہ اس ایڈیشن میں کافی اغلاط ہیں۔

"دار الکتب العلمیہ" ہی کا "دائرۃ المعارف" سے ایک مصور ایڈیشن پر "شیخ عبد الرحمٰن بن یحیی المعلمی" کی تحقیق بھی شامل ہے۔

## کتاب کی خدمات:

اس کتاب پر تین حضرات کے ذیول مطبوعہ شکل میں ہیں ۔

سب سے پہلے آپؒ کے تلمیذ حافظ ابو المحاسن الحسینی الدمشقیؒ (۷۶۵ھ) نے "ذیل تذکرۃ الحفاظ" کے نام سے اس کا ذیل پیش کیا ہے۔

دوسرا ذیل "لحظ الألحاظ بذیل طبقات الحفاظ" کے نام سے محمد بن فہد مکیؒ (م:۸۷۱ھ) نے لکھا ہے۔

نیز علامہ سیوطیؒ نے بھی "طبقات الحفاظ" کے نام سے اس پر ذیل اور تلخیص پیش کیا، البتہ علامہ سیوطیؒ نے تین طبقات میں مزید حفاظ کا تذکرہ بھی شامل کیا، چناں چہ اس میں طبقات کی تعداد ۲۴ ہے۔

علامہ سیوطی کی یہ کتاب "وستنفلد غونجی" (مستشرق) کی تحقیق سے مزین ہو کر ۱۲۷۷ھ میں طبع ہوئی ہے، نیز بیروت سے بھی مطبوع ہے۔

آخر الذکر دونوں ذیول پر شیخ محمود سعید ممدوح نے ''تزیین الألفاظ بتتمیم ذیول تذکرة الحفاظ'' کے

نام سے تتمہ پیش کیا، اور خطبہ کتاب کے بعد اس مقصد کی صراحت مذکور ہے، البتہ تراجم کے آغاز سے پہلے کچھ فصول قائم کر کے مفید مباحث شامل کیے ہیں، جو قابل مطالعہ ہے۔

یہ تینوں ذیول یکجا مکتبہ "ابن تیمیہ" سے بھی طبع شدہ ہے۔ اسی طرح ان تینوں کو علامہ کوثریؒ (۱۳۷۷ھ) نے بھی اپنی مفید تعلیقات کے ساتھ جمع کر کے ایک جلد میں نذرِ قارئین کیا ہے۔

علامہ کوثریؒ کی ان تعلیقات اور طبع کردہ ذیول پر شیخ احمد رافع الحسینی نے **التنبیہ والإیقاظ لما فی ذیول تذکرۃ الحفاظ** کے نام سے 166 صفحات پر ایک کتاب لکھی، اس میں انہوں نے اس نسخہ، اور اس پر لکھی گئی تعلیقات کی مزید توضیح اور اصلاح کی، اور یہ 'دار إحیاء التراث العربی' سے ان تینوں ذیول کے ساتھ آخر میں شامل اور ملحق ہے، جبکہ اس کے پہلے صفحہ کے حاشیہ میں علامہ کوثریؒ نے مصنفؒ کے لیے تشکر آمیز کلمات بھی نقل کیے ہیں۔

مصنف کا اسلوب یہ ہے کہ ہر ایک ذیل کو عنوان کی شکل دے کر سطر نمبر اور صفحہ نمبر رقم کرنے کے بعد اپنی تحقیق پیش کرتے ہیں۔

## کتاب کا مقصدِ تالیف:

کتاب کے لکھنے کا بنیادی مقصد آپ نے خود بیان کیا۔ چنانچہ کتاب کے مقدمہ میں حمد وصلاۃ کے بعد لکھتے ہیں:

**"ھذہ تذکرۃ بأسماء معدّ لی حملۃ العلم النبویّ ومن یرجع إلی اجتھادھم فی التوثیق والتضعیف، والتصحیح والتزییف"۔**

(ترجمہ) ''یہ مجموعہ حاملینِ علم نبوی۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کی عدالت بیان کرنے والوں کے ناموں پر مشتمل ہے، جن کی طرف راوی کی توثیق وتضعیف، اور حدیث کے کھرے اور کھوٹے پن میں رجوع کیا جاتا ہو۔''

علامہ محمد عبدالرشید نعمانیؒ (م: ۱۴۲۰ھ) حافظ ذہبیؒ کے اس جملہ کو نقل کرنے کے بعد رقم طراز ہیں:

"حافظ موصوف نے تمام کتاب میں اس اصول کو ملحوظ رکھا ہے اور کسی ایسے شخص کا ترجمہ نہیں لکھا، جو حدیث میں حافظ شمار نہ کیا جاتا ہو (اگرچہ دوسرے علوم میں امام تسلیم کئے جاتے ہوں مثلاً ابو محمد عبداللہ بن قتیبہ)، اسی طرح ان لوگوں کا تذکرہ بھی اس کتاب میں نہیں لکھا، جو اگرچہ حدیث میں حافظ تھے، مگر (اکثر۔ از ناقل) محدثین کے نزدیک "متروک الروایۃ" خیال کئے جاتے تھے، مثلاً ہشام بن محمد کلبی اور علامہ واقدی" (۷)۔۱۲

## کتاب کا اسلوب ومنہج:

حافظ ذہبی نے اس کتاب ''تراجم محدثین حفاظ'' کو طبقات کی صورت میں پیش کیا۔

لفظ ''طبقات'' کا مطلب:

لفظ طبقات "طبقۃ" کی جمع ہے، اور اس کا معنیٰ لغت میں ہے:

" نسل در نسل، ایسے لوگ جو عمر اور زمانہ، یا مرتبہ اور حالت میں ایک دوسرے کے مشابہ ہوں"۔(8)

علامہ سیوطی (م:۹۱۱ھ) "تدریب الراوی" میں لکھتے ہیں:

**"الطبقة فی اللغة القوم المتشابهون، وفی الاصطلاح: قوم تقاربوا فی السن والإسناد أو فی الإسناد فقط، بأن یکون شیوخ هذا هم شیوخ الآخر أو یقاربوا شیوخه"۔**

طبقہ لغت میں "ایک جیسے لوگوں" کو کہا جاتا ہے، اور اصطلاح میں اس کا اطلاق ایسی قوم پر ہوتا ہے جو عمر اور سند یا صرف سند میں ایک دوسرے کے متقارب ہوں کہ ایک کے شیوخ دوسرے کے شیوخ ہوں یا اس کے شیوخ کے قریب قریب ہوں۔

طبقہ کی تحدید وتعیین

کیا طبقہ کے لیے کوئی تحدید اور تعیین ہے؟

" اس سوال کا جواب یہ ہے کہ دو طبقات کے مابین حد فاصل قائم کرنا مشکل امر ہے..... کیونکہ طبقات پر لکھنے والوں نے کسی مخصوص سن کا لحاظ نہیں رکھا"۔ (مزید تفصیل کے لیے اصل مرجع ملاحظہ ہوں)۔

لفظ ''حافظ'' کی مراد:

علامہ سیوطیؒ نے "تدریب الراوی" شرح "تقریب النواوی" میں اس لفظ کے ضمن میں نہایت بسط سے کام لیا، اور مختلف اقوال نقل کیے ہیں، ان سب کا لبِ لباب علامہ ظفر احمد العثمانی (۱۳۹۶ھ) کی "أحادیث الأحکام" پر بلند پایہ کتاب "إعلاء السنن" کے مقدمہ میں موجود ہے، ملاحظہ فرمائیے:

"محدث اسے کہتے ہیں جو اِثباتِ حدیث کے تمام طرق کا علم رکھے، اور اس کے رُواۃ کی جرح وتعدیل کی معرفت حاصل کرے، نیز صرف سماع پر انحصار نہ کرتا ہو..... اگر وہ مزید ترقی کرے، حتی کہ اپنے شیوخ، اور طبقہ وار اپنے مشائخ کے بھی شیوخ، یہاں تک کہ اتنے رواۃِ حدیث کا اسے علم ہو جائے جو تعداد میں دیگر نامعلوم راویانِ حدیث سے زیادہ ہوں، تو اسے "حافظ" کہا جائیگا"۔

اسی طرح شیخ عبد الفتاح ابوغدہؒ نے اس مقام پر حاشیہ قلمبند کیا، ملاحظہ کیجیے:

''صحیح بات یہ ہے کہ اس کا دارومدار ہر زمانہ کے اعتبار سے اس کے اہل پر چھوڑ دیا جائے..... پس "حافظ" وہ

ہے جو کسی حدیث کو سن کر یہ فیصلہ کرسکتا ہو کہ یہ حدیث صحاح کی کتب میں سے ہے یا نہیں، اور اسے ہزار یا اس سے زیادہ احادیث بالمعنیٰ حفظ ہوں۔''

آگے شیخ عبدالفتاحؒ اسی قول پر اپنے شیخ علامہ محمد زاہد الکوثریؒ (۱۳۷۷ھ) کے حوالہ سے فرماتے ہیں:

"شیخ ظفر عثمانیؒ کے اس قول کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ایک دفعہ میں نے اپنے شیخ علامہ کوثریؒ سے 'حافظ'، 'حجۃ' اور 'حاکم' کی تعریفات کے مآخذ اور مستندات کا پوچھا، تو آپؒ نے جواب میں فرمایا:

''یہ بعد والوں کی اصطلاح ہے، جو سلف سے منقول نہیں۔''

بلکہ علامہ ذہبیؒ نے اپنی تالیف "تذکرۃ الحفاظ" میں بعض ان صحابہ کا بھی ذکر کیا، جو ان تعریفات کی رُو سے ان احادیث کا دسواں حصہ بھی روایت نہیں کرتے، جتنی احادیث کی تعداد "حافظ، حجۃ، اور حاکم کی تعریفات میں بیان کی جاتی ہے"۔۲۱۔(ایضا، از حاشیہ)

"**السراج المنير فی ألقاب المحدثين** "میں لفظ "حافظ" کے حوالہ سے بہترین بحث لکھی گئی ہے، چنانچہ اس کی اصطلاحی تعریف کے تحت لکھا ہے:

"سلف کے نزد" محدث" اور" حافظ" کا ایک معنیٰ ہے، نیز ان حضرات نے ہر دو کو دوسرے کی جگہ استعمال کیا، نیز ایک کی تعریف کا اطلاق دوسرے پر کرتے ہیں۔البتہ بعد میں آنے والوں نے اس میں فرق کیا اور "حافظ" کا مرتبہ "محدث" سے مافوق اور "حجۃ" سے نیچے رکھا، البتہ اس پر اتفاق کے باوجود "حافظ" کی تعریف میں مختلف تعبیرات استعمال کی گئی ہیں"۔(13)

## کتاب ہٰذا میں درج تراجم کی تعداد:

حافظ ذہبی نے کتاب کے اکیس طبقات میں کل ۱۱۷۶ حفاظ کے احوال پیش کیے ہیں۔

## کیا حافظ ذہبی نے سب حفاظ کا احاطہ کرلیا ہے؟

ہرگز نہیں، بلکہ خود آپؒ نے تراجم کے اختتام کے بعد صراحت کے ساتھ لکھا ہے:

"یہاں تک ہماری کتاب "تذکرۃ الحفاظ" کا اختتام ہوگیا، اور ممکن ہے کہ غفلت اور نسیان کی وجہ سے بہت سے ان لوگوں کا ذکر چھوٹ گیا ہے، جو ان حفاظ کے علم وحفظ کے مرتبہ میں ان کے مساوی ہیں"۔

## تراجم میں حافظ ذہبی کا اسلوب:

حافظ ذہبیؒ نے مندرجہ ذیل وجوہ سے حفاظ کی ترتیب اختیار کی اور ان کے مناقب اوصاف وکمالات ذکر

کیے ہیں۔

(۱) کل ۲۱ طبقات کے ہر ہر طبقہ میں ذکر کردہ حفاظ حدیث کی تعداد بالترتیب درج ذیل ہے۔

۲۳، ۴۲، ۳۰، ۵۸، ۷۸، ۸۱، ۱۰۶، ۱۳۰، ۱۰۶، ۱۱۷، ۷۷، ۷۹، ۷۴، ۳۱، ۴۶، ۲۵، ۲۶، ۱۲، ۱۵، ۷۔

نوٹ: یہ تعداد اور ترتیبِ طبقات، تذکرۃ الحفاظ مطبوعہ دار إحیاء التراث العربی بیروت سے ماخوذ ہے، جو دو جلدوں میں ہیں، اور ہر جلد دو حصوں پر ہے۔

(۲) سب سے پہلے صحابہ کرام کا طبقہ رکھا، جس میں 23 صحابہ کرام۔ رضی اللہ عنہم۔ کے تراجم پر روشنی ڈالی، ان میں خلفاءِ اربعہ کو مقدم رکھا، اس کے بعد حضرت ابن مسعود (32ھ) و دیگر حفاظ صحابہ۔

علاوہ ازیں صحابہ کرام کے طبقہ میں ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسماء کا ذکر بھی شامل کر دیا، جن کی حدیث کی صحیح کتب میں مرویات ہیں، (اگر چہ ان کا حفاظ میں شمار نہ ہو) بلکہ انہی میں سے راویات کے ناموں کا بیان بھی ملحق ہے۔

(۳) سب سے آخر میں اپنے محبوب استاد علامہ مزیؒ کا ترجمہ درج کیا، اور ان کے لیے عظیم القابات ذکر کیے، ان کا علمی مرتبہ اور مقام قارئین کی خدمت میں پیش کیا۔

(۴) ان سے قبل اپنے دوسرے محبوب استاد علامہ ابن تیمیہؒ کا ذکر خیر کرتے ہوئے ان کے کمالات علمیہ کو ذکر کیا، البتہ عالی القابات سے نوازنے کے بعد آپؒ کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار بھی کیا۔ چنانچہ ملاحظہ ہوں:

"علامہ ابن تیمیہ کچھ فتاویٰ اور آراء میں دیگر جمہورِ اہلِ علم سے متفق نہیں، البتہ ایسی باتوں کو آپ کے علم کی گہرائی نے ڈھانپ رکھا ہے، اللہ تعالی آپ سے راضی ہو اور آپ سے درگذر فرمائیں، میں نے آپ جیسی شخصیت نہیں دیکھی، اور ہر ایک پر ان کے اقوال میں مواخذہ کیا جاسکتا ہے، تو آپ بھی انہی میں سے ایک ہیں"۔

(۵) ہر طبقہ کا آغاز کرتے ہوئے اس میں ذکر کردہ حفاظ کی تعداد ذکر کرنے کا اہتمام کرنا۔

(۶) کتاب میں صاحب ترجمہ "حفاظ" کی مرویات کے لیے متعلقہ کتاب کے حوالہ کے لیے درج ذیل رموز مقرر ہیں:

صحیح بخاری (خ)، صحیح مسلم (م)، سنن أبی داود (د)، سنن نسائی (س)، سنن ترمذی (ت)، سنن ابن ماجہ (ق) سنن اربعہ (۴)، امہات کتب ستہ (ع)۔

(۷) حافظ کے تذکرہ میں ان کا نام، والد کا نام، کنیت کا ذکر نیز نسب نامہ اور علمی القابات کا ذکر کرتے ہیں۔

(۸) ان کی تاریخ، سنِ ولادت اور وفات کا ذکر کرتے ہیں۔

(۹)اس ضمن میں مشہور ومعروف اساتذہ اور تلامذہ کا ذکر بھی کرتے ہیں۔

(۱۰)اگر کسی حافظ کی کوئی روایت کتب ستہ میں ہو،تو اس کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں،لیکن اس کے لیے ایک علامت مخصوص ہے،(جس کا سابق میں ذکر ہو چکا)،جس سے اس کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

(۱۱)اگر ان کے بارے میں واقعات یا مدحیہ کلمات کسی امام یا مشہور اہل علم سے منقول ہوں،تو اسے بھی زیرِ قرطاس لاتے ہیں۔

(۱۲)اس کے علاوہ اگر ان کی کوئی روایت امام ذہبیؒ تک متصل ہو،تو اس کو سند کے ساتھ بیان کرنے کا اہتمام کرتے ہیں۔

(۱۳)اگر کسی مشہور شخصیت کا اس طبقہ میں انتقال ہوا ہو تو اسے بھی سپردِ قلم کرتے ہیں۔

(۱۴)صاحب ترجمہ کا فقہی مسلک بھی واضح کرتے ہیں۔

(۱۵)آپؒ بہت سے حفاظ کے تذکرہ کے ذیل میں ان کے خوفِ خداوندی اور خشیت کے قصص نقل کرتے ہوئے پڑھنے والے کو گویا یہ نصیحت کرتے ہیں کہ "اپنے علم کی حفاظت کے لیے تقویٰ کو ڈھال بنادے،اور فخر وعُجب میں مبتلاء نہ ہوں، بلکہ موت کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھیں"۔

(۱۶)حافظ ذہبیؒ نے (باوجود شافعی المسلک ہونے کے)اس کتاب کے "طبقہ خامسہ "میں ائمہ اربعہ متبوعین میں سے امام ابوحنیفہؒ(م:150ھ) کا تذکرہ بھی پیش کیا،اور آپؒ کو حدیث کے باب میں "حافظ" کا لقب عنایت کیا۔یہ ان لوگوں کے خلاف واضح دلیل ہے، جو ضعیف اور غیر مستند اقوال کا سہارا لے کر آپ کو حدیث کے باب میں" تہی دامنی" کا لقب دیتے ہیں،اور مشہور ائمہ علم اور اصحابِ حدیث کو بطور استشہاد کرتے ہیں،لیکن حقیقت پہنچنے کی سعی تک نہیں کرتے،حتی کہ بسا اوقات امام اعظمؒ کی بے ادبی،توہین اور تنقیص تک پہنچ جاتے ہیں.....**أعاذنا الله من ذٰلک**۔

(۱۷)حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم اور آپ علیہ السلام کی احادیث کا شوق اور اس کی رغبت دلانے کے لیے ان حفاظ کے اس سے متعلق واقعات بھی بیان کرتے ہیں۔

(۱۸)ترجمہ کے ذیل میں صاحب ترجمہ کے "علمی اسفار" کا ذکر کرتے ہیں۔

(۱۹)ان حفاظ کی قلمی خدمات سیبھی تعرض کرتے ہیں۔

(۲۰)حافظ ذہبیؒ نے کچھ طبقات کے آخر میں یہ اسلوب بھی اختیار کیا کہ اسی طبقہ کے دیگر راویانِ حدیث،مشہور اہلِ علم یا حدیث سے تعلق رکھنے والوں کے اسماء،یا کسی فتنہ کا ظہور ہوا ہو تو اس کا ان کے عقائد فاسدہ کے ساتھ بیان

کرتے ہیں،اوراس طبقہ کے حفاظ کے زمانہ میں کن خلفاء کا زمانہ رہا، نیزان خلفاء کے ظلم وجور،انصاف وکارہائے نمایاں کی طرف اشارہ کرتے ہیں،اور قارئین کوقدماءمحدثین کا مرتبہ سامنے لاکران کی شان میں ہذیان بکنے سے اجتناب کی تلقین کرتے ہیں،اورانہیں قدوۃ بنا کراتباع کی ترغیب دیتے ہیں، نیزفقہاء کی آڑ لے کرمحدثین کوبنظرِ حقارت دیکھنے سے احتراز برتنے جیسےعمدہ امورکواجاگر کرتے ہیں ۔

(۱۲)علامہ ذہبیؒ نے طبقات کے ختم ہونے کے بعد اپنے شیوخ کا بھی ضمنا تذکرہ شامل کیا،ان شیوخ کی کل تعداد۳۶ ہے۔

## حواشی:

(1)الدرر الكامنة لابن حجر،۳/۳۳۶،دارالجیل بیروت،۱۴۱۴ھ

(2)مقدمة سير أعلام النبلاء ،1/16، للشیخ بشار محمد عواد معروفؒ،ط:مؤسسۃ الرسالۃ،طبع سادس1410ھ۔

(3)البدر الطالع بمحاسن من بعد القرن السابع ،2/38،حرف الجیم،ط:دارالکتب العلمیہ،طبع اول 1418ھ۔

(4)مقدمة سير أعلام النبلاء 1/35، للشیخ بشار محمد عود معروفؒ،ط:موسسۃ الرسالۃ،طبع سادس1410ھ۔

(5)الرد الوافر على من زعم بأن من سمى ابن تيمية "شيخ الإسلام" كافرا،ابن ناصرالدین الدمشقی،(م؛842ھ)،اص:72،المکتب الاسلامی،طبع ثالث،1411ھ،زہیر شاوش

(6)الوافی بالوفیات،مؤلف:صلاح الدین خلیل بن ایبک الصفدی،2/165،ترجمۃ محمد بن احمد بن عثمان الذہبی،طبع ثانی،سن 1401ھ/1981 ئنیز"الدرر الكامنة"لابن حجر 2/338،م:دار إحياء التراث العربي بیروت،ترجمۃ محمد ابن احمد الذھبی۔

(7)امام ابن ماجہ اور علم حدیث،ص:149،میر محمد کتب خانہ۔

(8) المعجم الوسيط،2/551،باب الطاء،ظ:دارالدعوۃ

(9)تدريب الراوی،2/381،م:میر محمد کراچی،طبع دوم،1392ھ/1972ء

(10)"علم طبقات المحدثين،أهميته وفوائده،المهندس اسعد سالم تیم،ص:۱۲۴،مکتبۃ

الرشد ریاض، طبع اول ۱۹۹۴ء

نوٹ: اس کا پورا نام "التقریب والتیسیر فی معرفة سنن البشیر والنذیر" ہے، یہ ابوعمرو ابن الصلاح عثمان بن عبدالرحمٰن۔م:۶۴۳ھ۔کی علم حدیث کے ۶۵ انواع کا احاطہ کرنے والی بے مثال کتاب "معرفة أنواع علم الحدیث کی تلخیص التلخیص ہے، مصنف نے اَولاً إرشاد طلاب الحقائق کے نام سے تلخیص کی، اور پھر 'التقریب" کے نام سے اس کی تلخیص فرمائی،، یہ دونوں کتابیں ساتویں صدی کے مشہور شافعی المسلک عالم ابوزکریا یحیی بن شرف الدین النووی الدمشقی (م:۶۷۶ھ) کے قلم سے منصۂ شہود پر آئی ہیں، جبکہ اس کی تفصیلی شرح "تدریب الراوی" جدید طباعت کے ساتھ حال ہی میں عالم عرب کے مشہور عالم ومحقق اور نقاد "علامہ عبدالفتاح ابوغدہ" (۱۴۱۷ھ) کے علمی جانشین "شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ تعالیٰ کی مایہ ناز تحقیق وتعلیق (جس میں خصوصا فقہاءِ محدثین کے اصولیین کو بھی بیان کیا گیا ہے) اور آپ کے اہتمام کے ساتھ پانچ جلدوں میں مکتبہ دار المنہاج سے مطبوع ہے۔

(11) مقدمة إعلاء السنن 19/28، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی، تحقیق شیخ عبدالفتاح ابوغدہ (1417ھ)

(12) السراج المنیر فی ألقاب المحدثین، مصنف شیخ سعد فہمی بلال، ص:128، دار ابن حزم، طبع اول، 1417ھ/1996ء

(13) اسفار علمیہ کی علت یہ ہے کہ سلفِ صالحین کے ہاں طلبِ علم کے لیے سفر کرنا، اپنے گھر بار چھوڑ کر دُور دَراز زر کثیر خرچ کر کے اپنی علمی پیاس بجھانے کے لیے جانا مستحسن سمجھا جاتا تھا، بلکہ اس پر مستزاد حافظ خطیب بغدادی (م:463ھ) کی علمِ حدیث حاصل کرنے کے لیے اسفار کرنے والے اہل علم کے تذکرہ پر مشتمل کتاب "الرحلة فی طلب الحدیث" مستقل تصنیف ہے، جسے بے حد سراہا گیا ہے۔

(14) مثلا طبقہ رابعہ کے آخر میں بصرہ میں اٹھنے والے فرقہ قدریہ اور معتزلہ کا ذکر کیا، ان کے قرآن وحدیث سے متصادم عقائد بھی بیان کیے۔ طبقہ سادسہ کے آخر میں شیعیت ورافضیت کے طلوع ہونے اور اس کے سبب کو بیان کیا۔

☆.....☆.....☆

# علمِ وقف وابتداء.....علوم قرآنیہ کی ایک اہم جہت

جناب حافظ محمد طاہر

قرآنی علوم میں علمِ وقف وابتداء نہایت اہمیت کا حامل ہے، اسے جاننے کا فائدہ یہ ہے کہ قاری کو معلوم ہو جاتا ہے کہ دورانِ تلاوت کن مقامات پر وقف کیا جانا درست ہے اور کہاں درست نہیں۔ اسی طرح کہاں سے دوبارہ آغاز صحیح ہوگا اور کہاں سے مناسب نہیں ہوگا، اسی لیے بسا اوقات کوئی وقف معنوی اعتبار سے کمال درجے کی خوبصورتی اور جمال پیدا کر دیتا ہے اور اگر کوئی اناڑی تلاوت کر رہا ہو تو ایسی قبیح صورتوں میں وقف کر دیتا ہے کہ سارا معنیٰ ہی اُلٹ پلٹ ہو جاتا ہے۔

اس لیے ماہر قراء ہمیشہ سے اِس علم کی اہمیت اجاگر کرتے رہے ہیں، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

**تَـنْزِلُ السُّورَةُ عَلَى مُحَمَّدٍ ﷺ فَيَتَعَلَّمُ حَلَالَهَا وَحَرَامَهَا وَآمِرَهَا وَزَاجِرَهَا وَمَا يَنْبَغِي أَنْ يُوقَفَ عِنْدَهُ مِنْهَا كَمَا تَتَعَلَّمُونَ أَنْتُمُ الْيَوْمَ الْقُرْآنَ۔**

''محمد رسول اللہ ﷺ پر جب کوئی سورت نازل ہوتی تو ہم میں سے ہر کوئی اس میں موجود حلال وحرام کے مسائل سیکھتا اور اس میں وقف کہاں کرنا ہے اسے بھی اُسی طرح سیکھتا جیسے تم آج قرآن مجید پڑھنا سیکھتے ہو۔'' (مشکل الآثار للطحاوی:۴/۸۴، المستدرک للحاکم:۱/۹۱)

امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ (۳۳۸ھ) فرماتے ہیں:

''یہ حدیث دلیل ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وقف کو قرآن مجید کی طرح ہی سیکھتے تھے اور اس حدیث کے ابتدائی الفاظ دلالت کرتے ہیں کہ اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع تھا۔'' (**القطع والائتناف**، ص:۱۲)

امام ابوعمرو الدانی رحمہ اللہ (۴۴۴ھ) فرماتے ہیں:

''سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ قول اس بات کی دلیل ہے کہ یہ اَمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے توقیفی ہے اور اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے۔'' (**المکتفی فی الوقف والابتداء**، ص:۱۳۴)

علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ (۸۳۳) فرماتے ہیں:

''ہمارے ہاں تو اسے (وقف وابتداء) کو سیکھنا اور اس کا اہتمام کرنا سلف صالحین سے متواتر ثابت

ہے۔‘‘(النشر فی القرائات العشر:۱/ ۲۲۵)

بلکہ وقف وابتداء کی پاسداری اور لحاظ کرنے پر امام ابن النحاس، ابوعمرو الدانی رحمہما اللہ اور دیگر علماء نے اجماع نقل کیا ہے۔(فضل علم الوقف و الابتداء، للدکتور عبد اللّٰہ المیمونی،ص:۱۲)

اہلِ علم نے وقف وابتداء کو قرآن مجید کے معانی کی معرفت اور تبیین کا اہم ذریعہ قرار دیا ہے جیسا کہ امام ابوجعفر النحاس رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’تفصیلِ حروف اور جہاں معنی مکمل ہو جائے وہاں وقف کرنا بھی تبیین میں شامل ہے۔‘‘(القطع و الإئتناف:۱/۷۴)

امام ابوبکر اَنباری (۳۲۸ھ) فرماتے ہیں:

’’قرآن مجید کے اعراب، معانی اور غرائب کی معرفتِ تام دراصل وقف وابتداء کی معرفت میں ہے، لہٰذا قاری کو چاہیے کہ وہ وقفِ تام، وقفِ کافی اور وقفِ قبیح کی اچھی طرح معرفت حاصل کرے۔‘‘(إیضاح الوقف و الابتداء:۱/ ۱۰۸)

علامہ علم الدین سخاوی رحمہ اللہ (۶۴۳ھ) فرماتے ہیں:

’’علماء نے وقف وابتداء کی معرفت میں جو علوم مدون کیے ہیں ان سے قرآن مجید کے معانی کی تبیین اور مقاصد کی معرفت حاصل ہوتی ہے، اسی کے ذریعے قرآن کے بحر میں غوطہ زنی ہوتی ہے۔‘‘(جمال القراء:۲/۵۵۳)

علامہ سیوطی رحمہ اللہ (۹۱۱ھ) فرماتے ہیں:

’’وقف کا باب بڑا عظیم القدر اور پُر خطر ہے نیز کسی کے لیے قرآن مجید کے معانی کی معرفت اور شرعی دلائل کے استنباط کا ملکہ فواصل کی معرفت سے ہی پیدا ہوتا ہے۔‘‘(الإتقان:۱/۲۸۳)

یاد رہے کہ یہ فن آسان نہیں بلکہ جب تک قاری دیگر علوم سے کچھ نہ کچھ متعارف نہ ہو، اس کا حق ادا نہیں کر سکتا جیسا کہ علامہ اشمونی رحمہ اللہ (نحو.....۱۱۰۰ھ) فرماتے ہیں:

’’اس فن کا حق وہی ادا کر سکتا ہے جسے عربی زبان سے اچھا واسطہ ہو، قراءات، تفسیر اور نزولِ قرآن کی لغت کا ماہر ہو۔‘‘(منار الہدی فی بیان الوقف والابتداء:۱/۱۲)

لیکن جب سے محض خوبصورت آوازوں کو مقصود ومعیار بنا لیا گیا ہے تب سے وقف اور ابتداء کے ساتھ بھی نہایت ظلم ہونے لگا، اس لیے عوام الناس میں معروف بعض قراء بھی کبھی عجیب وغریب وقف کرتے ہیں جس سے معنیٰ مکمل طور پر ہی بگڑ جاتا ہے، ذیل میں چند مثالیں ہیں:

**مثالِ اول:**.....اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ

''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ میں سے کسی مَرد کے والد نہیں ہیں۔'' (الأحزاب:۴۰)

اس آیت میں ایک ''قاری صاحب'' کو یوں وقف کرتے سنا گیا:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ..... ''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہیں ہیں۔''

**مثالِ ثانی:**.....اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

يُدْخِلُ مَن يَشَاءُ فِي رَحْمَتِهِ ج وَالظَّالِمِينَ أَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا.

''وہ جسے چاہے اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے اور ظالموں کے لیے اس نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔'' (الدہر:۳۱)

اس میں اگر **والظالمین** پر وقف کر دیں تو ترجمہ کچھ یوں ہو جائے گا:

''وہ جسے چاہتا ہے اسے، اور ظالموں کو اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے۔''

**مثالِ ثالث:**.....اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

إِنَّمَا يَسْتَجِيبُ الَّذِينَ يَسْمَعُونَ م وَالْمَوْتَىٰ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ ثُمَّ إِلَيْهِ يُرْجَعُونَ.

''(دعوتِ دین تو) قبول صرف وہی لوگ کرتے ہیں جو سنتے ہیں، رہے جو فوت ہو چکے ہیں تو انہیں اللہ تعالیٰ زندہ کر کے اٹھائیں گے، پھر وہ اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔'' (الأنعام:۳۶)

اس آیت میں کسی نے ''**والموتیٰ**'' پر وقف کیا تو اس کا معنی یہ بن گیا:

''دعوت دین تو وہی قبول کرتے ہیں جو سنتے ہیں اور جو فوت ہو چکے ہیں۔''

**مثالِ رابع:**.....اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لَا يُحِبُّ اللَّهُ الْجَهْرَ بِالسُّوءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَن ظُلِمَ

''اللہ تعالیٰ یہ پسند نہیں کرتے کہ کوئی شخص دوسرے کے متعلق علانیہ بری بات کرے الا یہ کہ اس پر ظلم ہوا ہو۔'' (النساء:۱۴۸)

اس آیت میں ''لَا یُحِبُّ اللّٰہُ'' پر وقف کرنا، یا جیسے پارے کا نام ہی صرف معروف ہے، یہ درست معلوم نہیں ہوتا کیونکہ اس سے معنی بالکل ہی غیر درست ہو جاتا ہے:

''اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے/ اللہ تعالیٰ محبت نہیں کرتے۔''

**مثالِ خامس:**.....اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ۔

''اللہ تعالیٰ تمہیں عدل، احسان اور قرابت داروں کو (امداد) دینے کا حکم دیتے ہیں اور بے حیائی، برے کام اور سرکشی سے منع کرتے ہیں۔'' (النحل:۹۰)

اس آیت میں اگر ''وَيَنْهَىٰ'' پر وقف کر دیا جائے تو معنی یہ ہو جائے گا:

''اللہ تعالیٰ تمہیں عدل، احسان اور قرابت داروں کو (امداد) دینے کا حکم دیتے ہیں اور ان سے منع (بھی) کرتے ہیں۔''

اس کی دیگر بھی کئی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔

اگر تو کسی عارضے و مجبوری کی وجہ سے وقف کرنا پڑ جائے تو پیچھے سے ملا کر آیت مکمل کر لی جائے تو حرج نہیں جیسا کہ علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اگر قاری ان جگہوں پر سانس پھولنے کی وجہ سے مجبور ہو جائے یا دورانِ تعلیم یا بطورِ امتحان رک جائے تو وقف بلا خلاف جائز ہوگا۔'' (النشر فی القراءات العشر :۱/۲۳۱)

لیکن باقاعدہ راگ الاپنے کے انداز میں آواز کا سُر لگا کر ان جگہوں پر وقف کرنا نہایت غیر مناسب ہے۔

لہذا قاری ءقرآن کو لازماً اس علم سے واسطہ رکھنا چاہیے تاکہ اس کے وقف اور ابتداء معنوی اعتبار سے درست ہوں، اور اس موضوع پر علماء کی تصنیف کردہ کتب کو زیر مطالعہ رکھے، ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

☆.....**القطع و الإئتناف لأبی جعفر النحاس (۳۳۸)**

☆.....**الوقف و الابتداء لمحمد بن سعدان الضریر (۲۳۱ھ)**

☆..... **إیضاح الوقف و الابتداء لابن الأنباری (۳۲۸ھ)**

☆.....**المکتفی فی الوقف و الابتداء لأبی عمرو الدانی (۴۴۴ھ)**

☆.....**منار الهدی فی الوقف و الابتداء لأشمونی (نحو ۱۱۰۰)**

**و اللّٰه أعلم و ما توفیقی إلا باللّٰه.**

☆.....☆.....☆

# تحصیل علوم دین کا مقصد

مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی رحمہ اللہ

ہماری دینی تعلیم گاہوں کا تعلیمی وتربیتی آغاز ''شوال'' میں ہوتا ہے۔اس وقت ہزاروں کی تعداد میں طالبانِ علوم نبوت دینی مدارس میں داخل ہوتے ہیں اوران کے چشمہ فیض سے اپنے اپنے ظرف وحوصلہ کے مطابق علم وآگہی اور فکروفن کے آبِ حیات سے سیراب ہوتے ہیں۔

اس موقع پر ہمارے ان ہونہار نوجوانوں کوخوب اچھی طرح یہ بات ذہن نشین کرلینی چاہیے کہ ہماری تمام تر علمی ودینی کاوشوں اور محنت وریاضت کا بارگاہ رب العزت میں شرف قبولیت سے بہرہ ور ہونا، ہمارے حسنِ عمل اور اخلاصِ نیت پر موقوف ہے۔اگر آپ اپنے اندر اخلاص وللّٰہیت کی صفت پیدا کرنے میں کامیاب ہوگئے ہیں تو پھر یقین کرلیجیے کہ کامیابی وکامرانی کی کنجی آپ کے ہاتھ میں آگئی ہے،اور گوہرِ مقصود آپ کے قبضہ میں ہے۔

اوراگر ہمارا دل اخلاص سے عاری اور للّٰہیت سے ناآشنا ہے،تو تمام تر علمی لیاقت وصلاحیت کے باوجود ہم اپنے آپ کو نامرادی کے اس اندیشہ سے بہرحال محفوظ نہیں رکھ پائیں گے۔

تحصیل علوم دین کا مقصدِ واحد رضائے الٰہی ہونی چاہیے''مَنْ خَرَجَ فِیْ طَلَبِ الْعِلْمِ فَهُوَ فِیْ سَبِیْلِ الله'' کی بشارت کا استحقاق اسی وقت ہوگا جبکہ تعلیم وتحصیل کا مقصود خوشنودیِ ربِ کائنات ہو،اسی بناء پر امام بخاری رحمہ اللہ نے''الجامع الصحیح''میں سب سے پہلے حدیث پاک''اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَاتِ'' کولاکر واضح اشاروں میں یہ بتادیا کہ تحصیلِ علوم کے میدان میں قدم رکھنے سے پہلے نیت کا جائزہ لے لینا ضروری ہے۔

آپ اس وقت اپنے تعلیمی سفر کے لیے پرتول رہے ہیں تو اس سفر کوشروع کرنے سے پہلے خانہ دل کو اخلاص وللّٰہیت سے معمور کرلیجیے، کیوں کہ اخلاص کی مضبوط ومستحکم بنیاد پر جوعمارت بھی قائم کی جائے گی وہ اِن شاء اللہ اُستوار وپائیدار ہوگی، بہ صورت دیگر یہی علوم ومعارف جو دونوں جہان کی صلاح وفلاح کے ضامن ہیں،ابدی حرمان وخسران کا سبب بن جاتے ہیں؛چنانچہ نبیِ صادق ومصدوق علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے:

''مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِیُجَارِیَ بِه الْعُلَمَاءَ، اَوْ لِیُمَارِیَ بِه السُّفَهَاءَ، أَوْ یُصْرِفَ بِه وُجُوْهَ النَّاسِ اِلَیْهِ أَدْخَلَهُ اللهُ النَّارَ''

''جس نے علم دین اس غرض سے حاصل کیا؛ تاکہ اس کے ذریعہ علماء سے مقابلہ کرے گا، یا تاکہ اس کے ذریعہ احمقوں سے حجت بازی کرے گا، یا لوگوں کو اپنی جانب مائل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے نارِ جہنم میں داخل کریں گے۔''

میرے عزیزو!.....زندگی کے یہ لمحات بڑے اہم ہیں، آپ کو اس وقت اچھی طرح اپنے دل کو ٹٹول لینا چاہیے، اگر اخلاصِ نیت کی جانب سے ذرا بھی بے اطمینانی ہو تو پہلے اس کی فکر کیجیے، اِسے قطعی طور سے مت بھولیے کہ اخلاصِ نیت اور جذبہ قربانی کے بغیر صحیح طور پر دین واسلام کی خدمت انجام نہیں دی جاسکتی، اسلام کی پوری تاریخ اس بات کی شاہدِ عدل، اور سچی گواہ ہے کہ اسلام کی صحیح معنوں میں خدمت انجام دینے والے، اور اسلام ومسلمانوں پر جب بھی کوئی افتاد پڑی ہے، تو اس کی حفاظت و پاسبانی کا فریضہ انجام دینے والے خدا کے مخلصین بندے ہی تھے، اخلاص وایثار کے انہی پیکروں نے ہمیشہ ملت کی کشتی کو طوفانوں سے بچا کر امن وسلامتی کے ساحل تک پہنچایا ہے، اپنے اسلاف واکابر کے تراجم اور حالاتِ زندگی کا مطالعہ کیجیے، آپ کو صاف طور پر نظر آئے گا کہ ہمارے بزرگوں نے، تعلیم وتصنیف، تبلیغ وجہاد، دعوت وارشاد وغیرہا دین کے شعبوں میں جو گرانقدر اور تاریخ ساز کارنامے انجام دیے ہیں، اس میں اصل کارفرمائی، اخلاص وایثار ہی کی تھی۔

آپ انتہائی خوش قسمت ہیں کہ مالکِ کائنات نے آپ کو وارثین انبیاء کی صف میں شامل کر دیا ہے، انسانی مقام ومرتبہ پر نبوت سے بالا وبلند تر کوئی مقام ودرجہ نہیں ہے؛ اس لیے لازمی طور پر وراثتِ نبوت سے بڑھ کر کوئی وراثت ہو ہی نہیں سکتی۔ یہ آپ کی انتہائی سعادت مندی ونیک بختی ہے کہ رب العالمین نے اس عظیم ترین وراثت کے لیے آپ کا انتخاب فرمایا ہے..... فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ ؛ اس لیے ہرگز ہرگز مایوسی واحساسِ کمتری کا ادنیٰ تصور بھی دل ودماغ کے گرد بھٹکنے نہ پائے، آپ سے عظیم تر دولت اس عالم دنیا میں کسی کے پاس نہیں ہے اِلّا یہ کہ اس وراثتِ نبوت میں جو لوگ آپ کے شریک ہیں.....پس اخلاص وایثار اخلاق وکردار کے چراغ سے اپنے دل کو روشن کر لیجئے۔ ان شاء اللہ ناکامی ونامرادی کے اندھیرے چراغِ اخلاص واخلاق کی ضیاپاشیوں سے اس طرح کافور ہو جائیں گے کہ دور دور تک ان کا نام ونشان بھی نہیں ملے گا۔

کسی ایسے شرر سے پھونک اپنے خرمنِ دل کو
کہ خورشیدِ قیامت بھی ہو تیرے خوشہ چینوں میں

☆.....☆.....☆

# مدارس عربیہ کے نئے تعلیمی سال کا آغاز

مولانا شمس الحق ندوی

ماہِ شوال مدارس دینیہ کے لیے نئے سال کا آغاز ہوتا ہے، دینی تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ اسی مہینہ میں داخلہ کے لیے ان مدرسوں میں آتے ہیں، والدین بھی جن کو دین کا شوق اور کچھ شعور ہوتا ہے، اپنے بچوں کو ان مدارس میں بھیجتے ہیں کہ دین کی تعلیم اور اس پر عمل کا سبق یہیں ملتا ہے۔

اس لیے اہل مدارس کی بڑی نازک ذمہ داری بنتی ہے کہ آنے والے ان طلبہ کی تعلیم وتربیت کی پوری فکر کریں اور وہ انداز وطریقہ اپنائیں جس سے ان کی صحیح تعلیم وتربیت ہو سکے، اہل مدارس کے لیے یہ شرف وخوش نصیبی کی بات ہے کہ دین کے حصول کا مرکز وہی سمجھے جاتے ہیں، لہٰذا اس شرف کا حق ادا کرنے کے لیے اپنی پوری دینی، علمی اور تربیتی صلاحیتوں سے کام لینا چاہیے کہ انسانوں کو ہدایت کی راہ دکھانے کا ان مدارس کے اور ان کے کارکنان کے علاوہ کوئی اور مرکز نہیں پایا جاتا۔

اس میں شک نہیں کہ یہ علم کے عروج وترقی کا زمانہ ہے، ہر قسم کے علم وایجادات روز بروز سامنے آرہے ہیں، جن پر عقل حیران رہ جاتی ہے، ان علوم وایجادات کے بڑے بڑے ادارے قائم ہیں، لیکن جہاں انسانی اخلاق ومحبت اور اس کائنات کے بنانے اور سجانے والے مالک کے جاننے اور پہچاننے کی تعلیم دی جاتی ہو، انسان کو اس کے مالک وخالق سے جوڑنے کا سبق سکھایا جاتا ہو، جو انسان کے پیدا کرنے کا اصل مقصد ہے اور ساری مخلوقات پر اس کو فضیلت دی گئی ہے: ''**ان الدنیا خلقت لکم وانکم خلقتم للآخرۃ**'' یعنی دنیا کی ساری چیز، سارے اسباب ووسائل انسان کے لیے پیدا کیے گئے ہیں، اور انسان آخرت کے لیے پیدا کیا گیا ہے، دنیا کے غیر دینی علوم وفنون کی ترقی نے انسان کو اس کی پیدائش کے اصل مقصد سے غافل اور خدا فراموش بنا دیا ہے، اور وہ من مانی زندگی گذار رہا ہے، جس کے نتیجہ میں ظلم وفساد کا خوفناک اندھیرا دن بدن بڑھتا جا رہا ہے۔

انسانوں کی ہدایت ورہنمائی کے روشن مینار یہ مدارس ہی ہیں، جو کارِ نبوت انجام دینے کے ذمہ دار ہیں، لہٰذا اہل مدارس پر ''**العلماء ورثۃ الانبیاء**'' (علماء نائبین رسول ہیں) کی نازک ذمہ داری ڈالی گئی ہے، ذمہ داری جتنی نازک ہوتی ہے، اتنا ہی اس کے لیے فکر وہمت اور حکمت وسوجھ بوجھ سے کام لینے کی ضرورت ہوتی ہے، لہٰذا طلبہ کی تعلیم وتربیت کے لیے پوری کوشش کرنا، یہ اہل مدارس کی ذمہ داری ہے۔

مدارس میں آنے والے طلبہ کا الگ الگ ماحول اور صلاحیتیں ہوتی ہیں، بعض طلبہ کی کچھ تعداد خوش حال گھرانوں کی ہوتی ہے، ان کا مزاج اور ان کی سوچ الگ ہوتی ہے، ان کی تربیت کے لیے ان کے ماحول کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے، ان کی نفسیات الگ ہوتی ہیں، دیہاتوں سے آنے والے اور متوسط گھرانوں سے آنے والے طلبہ کی تعداد زیادہ ہوتی ہے، ان کی ثقافت اور سوچ الگ ہوتی ہے، ان کی تربیت اور ذہن سازی کے لیے الگ انداز اپنانا پڑے گا۔

بڑے اور مرکزی مدارس میں تو یہ ممکن نہیں، لیکن چھوٹے اور ملحقہ مدارس میں جہاں طلبہ کی تعداد تھوڑی ہوتی ہے، اس کا لحاظ طلبہ کی تربیت میں معاون ہوگا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کی تربیت میں ان کی نفسیات اور ماحول کا پورا لحاظ فرمایا ہے، حدیث کی کتابوں میں اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں، امکان بھر طلبہ کے سرپرستوں سے رابطہ رکھنا بھی طلبہ کی تربیت میں تو معاون ہوگا ہی، خود ان سرپرستوں کو بھی فائدہ پہنچے گا، اس لیے کہ ان میں سے اکثر دین کی ابتدائی اور بنیادی باتوں سے ناواقف ہوتے ہیں، اس انداز کو اپنانے سے اصلاح معاشرہ کا بھی اچھا خاصا کام ہوسکتا ہے، جو بہر حال علماء ہی کی ذمہ داری ہے۔

اہل مدارس یہ نہ خیال کریں کہ غریب گھروں سے آنے والے معمولی لباس اور معمولی کھانا کھانے اور فرش پر بیٹھ کر پڑھنے والے یہ طلبہ جن کے دل بجھے ہوئے، امنگیں دبی ہوئی ہیں، دنیا کے بگڑے ہوئے طوفانی ماحول میں انسانیت ومحبت کا کیا کام انجام دے سکیں گے، یہ کسی مکتب کے استاد یا مسجد کی امامت کا کام ہی سنبھالیں گے، اول تو خود مکتب کی تعلیم یا مسجد کی امامت کوئی معمولی یا حقیر کام نہیں ہے، جس کو دین سے دور اور دنیا کمانے والے لوگوں نے سمجھ رکھا ہے، یہ مکتب نہ ہوں تو بچوں کو کلمہ سکھانے، ان کے دلوں کی سادہ تختی میں توحید کا عقیدہ بٹھانے کا کام کیسے انجام پاسکے گا، اور یہ ائمہ نہ ہوں تو مساجد کیسے آباد ہوں گی، اور روزمرہ کے ضروری مسائل مقتدیوں کو کون بتائے گا؟

اسی کے ساتھ اس سے بھی مایوس نہ ہونا چاہیے کہ انھیں غریب گھرانوں کے بچوں میں وہ لعل وگہر پوشیدہ ہیں جن سے قوموں اور ملکوں میں انقلاب لایا جاسکتا ہے، ہماری دینی ودعوتی تاریخ میں اس کی بڑی سبق آموز مثالیں موجود ہیں، ان کے نام گنائے جاسکتے ہیں، لیکن ہم نام اس لیے نہیں لیتے کہ کہیں کسی اہم شخصیت کا نام چھوٹ جائے تو کچھ لوگوں کو اس کا احساس ہوسکتا، اور اس کو کوتاہ نظری پر محمول کیا جاتا ہے، ہماری دعوتی تاریخ کی یہ وہ حقیقت ہے جس کو جھٹلایا نہیں جاسکتا۔

حالات چونکہ غیر معمولی انتشار وخلفشار اور ذہنی الجھنیں پیدا کرنے والے ہیں، جن سے طلبہ کی زندگی بہت زیادہ متاثر ہورہی ہے، اس لیے اس پہلو کو بھی ذہن میں رکھ کر بڑی حکمت وسوجھ بوجھ سے طلبہ کی تربیت کا کام انجام دینا

ہوگا، وہ والدین کتنے خوش نصیب ہیں جو اپنے نورِ نظر کو اس آرزو اور تمنا کے ساتھ بھیجیں کہ ان کا جگر گوشہ انسانیت کی رہبری کا کام انجام دے، اور وہ اس مقام پر پہنچے کہ کہنے والے کو کہنا پڑے ؎

سرسبز، سبزہ ہو جو ترا پائمال ہو
ٹھہرے تو جس شجر کے تلے وہ نہال ہو

ہماری دعا ہے کہ یہ نیا سال ہمارے تمام مدارس عربیہ کے لیے نہایت مبارک ثابت ہو، طلبہ کو صحیح اسلامی ڈھانچہ میں ڈھالا جاسکے، ان کے فکر و ذہن کو اتنا بلند کیا جاسکے کہ وہ ہر طرح کی کوتاہ بینی سے بلند ہو کر پوری انسانیت کی فلاح ونجات کے لیے فکر مند ہوں، ان کے سینوں میں پوری امت کی فکر کا درد وسوز پایا جاتا ہو، وہ تیار تو ہوں مدرسہ کے سادہ ماحول میں، مگر نظر پورے عالم کے حالات اور تقاضوں پر ہو، وہ چھوٹی چھوٹی باتوں اور جزئی ومعمولی اختلافات سے بلند ہو کر عالمی سطح سے مسائل پر غور کرنے والے ہوں۔

## مدرسین حضرات کے لیے چند رہنما ہدایات

مولانا مفتی سلمان منصور پوری

جب ہم دیوبند سے تکمیل افتاء کے بعد جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد میں تدریسی خدمت کے لیے جانے لگے، تو حضرت والد ماجد مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری نور اللہ مرقدہ نے چند خاص نصیحتیں فرمائیں:

(۱) اُن میں ایک نصیحت یہ تھی کہ تمہارے پاس کوئی طالب علم کتاب سمجھنے کے لیے یا کسی کام کے لیے آئے تو اُس سے کمرہ کا دروازہ بند کر کے بات مت کرنا؛ بلکہ جب بھی وہ آئے تو پہلے دروازہ کھول کر رکھو پھر بیٹھ کر بات کرو۔

(۲) دوسری نصیحت یہ فرمائی کہ اگر مدرسہ میں کسی دوسرے استاذ کے پاس پڑھنے والا طالب علم اُس کی کتاب کو سمجھنے کے لیے تمہارے پاس آئے تو تم منع کر دینا کہ انہی اُستاذ صاحب سے سمجھو جو تمہیں پڑھا رہے ہیں، تم خود اس بارے میں کچھ نہ بتانا۔

(۳) تیسری بات حضرت نے فرمائی کہ اپنی طرف سے کسی بھی انتظامی معاملے میں دخل مت دینا، مدرسہ والے کیا کر رہے ہیں؟ کیا نہیں کر رہے؟ تمہیں کوئی مطلب نہیں تم تو اپنا کام کرو، ہاں اگر مدرسہ کے منتظمین کسی معاملہ میں تم سے مشورہ لیں تو مشورہ دے دینا، مگر اصرار مت کرنا، اگر مان لیا جائے سبحان اللہ، نہ مانا جائے تو الحمد للہ۔

تو حضرت رحمہ اللہ کی ان باتوں پر جہاں تک توفیق ملی عمل کیا گیا، تو بڑی عافیت رہی، اور اللہ تعالیٰ نے بہت سے فتنوں سے حفاظت فرمائی، فالحمد للہ۔ اجتماعی زندگی میں ایک اہم بات یہ بھی یاد رکھیں کہ اپنے ساتھ کام کرنے والوں کا دل سے اکرام کیا جائے۔ اور اگر ہمارا کوئی ساتھی کام میں آگے بڑھ رہا ہے، تو خوشی کے ساتھ اللہ کا شکر بجالائیں کہ اللہ تعالیٰ نے دین کی خدمت کے لیے ایسے افراد پیدا کر رکھے ہیں اور اُن کے لیے دعائے خیر کریں۔ اور کسی بھی معاملے میں اختلاف وانتشار اور شر کی بنیاد نہ ڈالیں، بلکہ خیر کی بنیاد ڈالیں، یہ ہمارا جذبہ ہونا چاہیے، تو اللہ تعالیٰ ضرور مدد فرمائیں گے اور عزت وعافیت سے نوازیں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔ (فضلائے مدارس کو چند ضروری نصیحتیں ص: ۱۲، ۱۳)

# طلبِ حدیث کے آداب

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ کی ''آپ بیتی'' سے انتخاب

مولانا محمد طاہر سورتی

''محدثین نے طالبِ حدیث کے آداب بہت کثرت سے لکھے ہیں، جن کو یہ ناکارہ مقدمہ اوجز میں مختصر طور سے لکھ چکا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ طالب علم کے لیے سب سے پہلے جو چیز واجب ہے، وہ تصحیح نیت ہے یعنی علم کے حاصل کرنے میں مقصود صرف اللہ کی رضا ہونی چاہیے ریا، شہرت یا اس سے دنیا کمانا ہرگز نہیں ہونا چاہیے۔ اگر مدرّسی کرے تو بھی پیسوں کی نسبت سے نہ کرے، بل کہ اشاعت علم کو اپنا مقصد سمجھنا چاہیے، اور جو تنخواہ مل جائے اس کو اللہ کا عطیہ سمجھنا چاہئے۔ محدثین نے لکھا ہے کہ اغراض دنیا کی نیت سے علم حاصل کرنے سے بہت ہی زیادہ احتراز کرنا چاہیے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص علم دین کو دنیا کی غرض سے حاصل کرنا چاہے، اس کو جنت کی ہوا بھی نہیں لگے گی۔ حماد بن سلمہ کا مقولہ ہے کہ جو شخص حدیث پاک کو غیر اللہ کے لیے پڑھے وہ اللہ کے ساتھ مکر کرتا ہے۔ اللہ جل شانہ سے کثرت سے توفیق اور اعانت علی الصواب والسداد کی دعا کرتا رہے۔ اور اخلاق حمیدہ اپنے میں پیدا کرنے کی انتہائی کوشش کرتا رہے اور اس کے بعد انتہائی انہماک سے طلب علم میں مشغول ہو کسی دوسری طرف ذرا بھی توجہ نہ کرے۔''

**وہ کامیاب ہوگا:**

''یحیٰی بن کثیر کا مقولہ ہے کہ بدن کی راحت کے ساتھ علم حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت امام شافعی کا ارشاد ہے کہ وہ شخص کامیاب نہیں ہے جو علم کو کاہلی اور لاپروائی سے حاصل کرے، بل کہ جو شخص نفس کی ذلت اور معاش کی تنگی کے ساتھ حاصل کرے گا، وہ کامیاب ہوگا۔ اور یہ تو مثل مشہور ہے:.....**من طلب العلیٰ سهر اللیالی**

جو اونچا مرتبہ حاصل کرنا چاہے تو وہ راتوں کو بیدار رہے۔ اور طالب علم کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اپنے استادوں کا غایت احترام کرے۔''

**وہ کبھی کامیاب نہیں ہوتا:**

مغیرہ کہتے ہیں کہ: ''ہم استاد سے ایسا ڈرتے تھے جیسے لوگ بادشاہ سے ڈرا کرتے ہیں۔'' حدیث پاک میں بھی یہ حکم ہے کہ: ''جن سے علم حاصل کرو ان سے تواضع سے پیش آؤ۔''

''اپنے شیخ کو سب سے فائق سمجھے۔ امام ابو یوسف کا مقولہ ہے کہ جو اپنے استاد کا حق نہیں سمجھتا، وہ کبھی کامیاب نہیں ہوتا۔ استاد کی رضا مندی کا ہر وقت خیال رکھے، اس کی ناراضگی سے پرہیز کرے۔ اتنی دیر اس کے پاس بیٹھے بھی نہیں جس سے اس کو گرانی ہو۔ استاد سے اپنے مشاغل میں اور جو پڑھنا ہے اس کے بارے میں خاص طور سے مشورہ کرتا رہے۔''

اس سے نہایت احتراز کرے:

''اس سے نہایت احتراز کرنا چاہیے کہ شرم اور کبر کی وجہ سے اپنے ہم عمر یا اپنے سے عمر میں چھوٹے سے علم حاصل کرنے میں پس وپیش کرے۔ اصمعی کہتے ہیں کہ جو علم حاصل کرنے کی ذلت نہیں برداشت کرے گا وہ عمر بھر جہل کی ذلت برداشت کرے گا۔ یہ بھی ضروری ہے کہ استاد کی سختی کا تحمل کرے۔''

اور یہ تو نہایت مشہور مقولہ اور نہایت مجرب ہے کہ: ''استاد کی بے حرمتی سے علم کی برکات سے ہمیشہ محروم رہتا ہے، اور والدین کی بے حرمتی کرنے والا روزی سے ہمیشہ پریشان رہتا ہے۔'' لوگ آج کل بہت ہی بے روزگاری اور معاشی پریشانیوں میں مبتلا ہیں، لیکن وہ غور کریں گے تو اپنی جوانی کے زمانہ میں والدین میں سے کسی کی بے حرمتی کی ہوگی۔ مجھے تو اس کا بہت تجربہ ہے۔ محدثین اپنے استاد کی جلالت شان پر بہت ہی زور دیتے ہیں۔''

مولانا کو نہ چھوڑوں گا:

حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ ''افاضات یومیہ'' (حصہ نہم) میں فرماتے ہیں کہ: ''جب میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث پڑھتا تھا تو اس زمانہ میں حضرت مولانا گنگوہی رحمہ اللہ کے یہاں بھی حدیث کا دورہ شروع ہوگیا، اور طالب یہاں سے ٹوٹ ٹوٹ کر وہاں جانے لگے، مگر مجھے الحمد للہ کبھی اس کا وسوسہ بھی نہیں ہوا کہ وہاں چلا جاؤں؟ حالاں کہ میرا یہ اعتقاد تھا اور اب بھی ہے کہ حضرت مولانا گنگوہی مولانا محمد یعقوب صاحب سے علم وفضل میں بہت بڑھے ہوئے تھے، لیکن باوجود اس کے جب کسی نے مجھ سے چلنے کے لیے کہا، تو میں نے یہی جواب دے دیا کہ: جس دن مولانا فرمادیں گے کہ میں نہیں پڑھاتا، اس وقت کسی دوسرے کو ڈھونڈوں گا بلا ضرورت مولانا کو نہیں چھوڑوں گا۔''

ان ہی سے پڑھوں گا:

اشرف السوانح میں اس واقعہ کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ بچپن میں جب کلام مجید حفظ فرمارہے تھے تو والد ماجد نے کسی وجہ سے حضرت والا کے استاذ کو بدلنا چاہا لیکن حضرت والا کسی طرح راضی نہ ہوئے، اور مچل گئے کہ نہیں میں تو

ان ہی سے پڑھوں گا، یہاں تک کہ والد ماجد صاحب مجبور ہو گئے اور انہیں استاد کو رکھنا پڑا۔

حکایات صحابہ میں لکھا ہے کہ: امام ابو یوسف کا ارشاد ہے کہ: ''میں نے بزرگوں سے سنا ہے کہ جو استاد کی قدر نہیں کرتا، وہ کامیاب نہیں ہوتا۔'' حکایات صحابہ میں بہت سے قصے علمی انہماک کے باب میں اساتذہ کی قدر اور علمی انہماک کے گذر چکے، اس باب کو بھی طلباء کو ضرور دیکھنا چاہیے۔

## مدرسے کی بدنامی ہوگی:

افاضات یومیہ میں دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ'': ہم نے حضرت مولانا یعقوب صاحب کو چھوڑ کر مولانا گنگوہی کی خدمت میں جانے کا ارادہ نہیں کیا، بل کہ: بڑے مدرس کو چھوڑ کر چھوٹے مدرس سے پڑھا اور سند ان سے بھی نہیں لی۔ بل کہ جب سند فراغ اور دستار بندی کا وقت ہوا تو ہم لوگ یعنی جن جن کی جلسہ میں دستار بندی ہونی تجویز ہوئی تھی؛ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ: حضرت ہم نے یہ سنا ہے کہ: جلسہ میں ہماری دستار بندی کی جائے گی. اگر یہ حکم ہے تب تو ہمیں انکار نہیں، اور اگر ہمارے اختیار کو بھی اس میں کچھ دخل ہے، تو ہم با ادب عرض کرتے ہیں کہ: اسے موقوف فرما دیا جائے اس واسطے کہ ہمیں کچھ آتا جاتا تو ہے نہیں۔ مدرسہ کی بدنامی ہوگی کہ ایسے نالائقوں کی دستار بندی کی گئی؛ تو لیجئے ہم سند کے لیے تو کیا کہتے؟ کہا تو یہ کہا اور ملتی ہوئی دستار بندی کو اپنی طرف سے روک دیا، اور یہ نہیں کہ تکلف سے بل کہ سچے دل سے۔''

## جہاں جاؤ گے تم ہی تم ہو گے:

جب ہم لوگوں نے یہ کہا تو مولانا کو جوش آ گیا اور فرمایا کہ: ''کون کہتا ہے کہ لیاقت نہیں!.....اس کو تم جانو یا ہم جانیں؟ ہم اساتذہ کے سامنے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے اور تم لوگوں کو یہی سمجھنا چاہئے؛ ورنہ خدا کی قسم جہاں جاؤ گے تم ہی تم ہو گے میدان خالی ہے۔ یہ فقرہ کہ ''میدان خالی ہے'' کئی بار فرمایا۔''

اب ڈر کے مارے بولے نہیں کہ کہیں مولانا خفا نہ ہو جائیں۔ ہم لوگ مولانا سے ڈرتے بہت تھے .

## مولانا نے یہ تماشا کیا:

پھر مولانا نے یہ تماشا کیا کہ عین جلسہ میں فرمایا کہ: ''ہم نے ان لوگوں کو قرآن وحدیث فقہ، فلسفہ منطق وغیرہ اتنے فنون میں فارغ کر دیا ہے اور ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ یہ ان فنون میں صاحب کمال ہو گئے ہیں، اگر کسی کو ان کے فضل وکمال میں شک ہو تو وہ جس فن میں چاہیں اسی جلسہ میں ان کا امتحان لے لیں۔''

لو صاحب! ہم تو دستار بندی ہی سے ڈر رہے تھے اور اس کے ملتوی کرنے کی درخواست کی تھی۔ یہاں مولانا نے

علی الاعلان برسر جلسہ فرمادیا: جو چاہے اس وقت ان کا امتحان لے لے۔ مگر صاحب! ان حضرات کی ہیبت ایسی تھی کہ کسی کی مجال نہ تھی جو ہم سے سوال کرتا؛ بل کہ سب کو یقین تھا کہ جیسا مولانا فرمارہے ہیں یہ ویسے ہی ہوں گے کسی نے امتحان کی درحقیقت کوئی ضرورت ہی نہ سمجھی اور اس موقع پر بھی ہمیں کوئی سند نہیں دی گئی۔ بس یہ دستار ہی سند تھی۔

## کبھی دوسرے سے پڑھنا پسند نہ کیا:

اس کے بعد جب پڑھانے کا وقت آیا تو اول ہی ''میر زاہد''، ''امور عامہ'' کا سبق میرے ذمہ ہوا۔ دوپہر کو مطالعہ جو کیا تو کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ دعا کی: ''اے اللہ یہاں استاد تو موجود نہیں، اگر یہ مقام حل نہ ہوا تو پڑھاتے وقت بڑی ذلت ہوگی''..... پھر ظہر کی نماز پڑھ کر جو مطالعہ کرنے بیٹھا ہوں، تو کتاب بس پانی تھی۔ پھر تو خدا کے فضل سے ایسی طبیعت کھلی کہ اس زمانہ میں کانپور میں بڑے بڑے فضلاء موجود تھے اور کئی مدرسے تھے، اور بعض طلباء مشترک بھی تھے، کسی کو یہ پتہ نہ چلا کہ اس کو کچھ آتا نہیں۔ ہاں یہ رکاوٹ تو کچھ دن رہی کہ طلباء یہ کہتے تھے کہ یہ بہت کم عمر ہے، اس سے پڑھنے میں عار معلوم ہوتی ہے بس سات آٹھ طالب علموں کو لے کر بیٹھا رہتا تھا، کوئی کم عمر سمجھ کر پڑھتا ہی نہ تھا۔ پھر جو ڈاڑھی بڑی ہوئی طالب علموں کی تعداد بھی بڑھنے لگی۔ بس پھر طالب علم خوب آنے لگے، پھر تو یہ حالت تھی کہ خدا کے فضل اور بزرگوں کی دُعا سے جس نے مجھ سے ایک بار بھی پڑھ لیا پھر کبھی اس نے کسی دوسرے سے پڑھنا پسند نہیں کیا۔

## تو کیا جواب دوں گا؟

حضرت مولانا محمود حسن صاحب فرماتے تھے کہ میں بارہا گنگوہ حاضر ہوا اور جی میں بھی آیا کہ حضرت مولانا سے عرض کردوں کہ: مجھے بھی حدیث کی سند دے دیجئے۔ لیکن کبھی اس درخواست کی ہمت ہی نہ پڑی جب اس نیت سے گیا تو یہی خیال ہوا کہ تو یہ تمنا لے کر تو جاتا ہے، لیکن تجھے کچھ آتا جاتا بھی ہے؟ بارہا خیال ہوا کہ عرض کروں کہ: سب کو حضرت سند دیتے ہیں، مجھے بھی سند دے دیجیے۔ مگر پھر خیال ہوا کہ مولانا پوچھ بیٹھیں کہ: تجھے کچھ آتا بھی ہے؟ جو سند لیتا ہے تو کیا جواب دوں گا اس لیے کبھی اس درخواست کی ہمت ہی نہ ہوئی، حالاں کہ حضرت مولانا دیوبندی ہندوستان میں حدیث کے اندر بے نظیر تھے۔

تو جناب ہم نے تو وہ وقت دیکھا ہے۔ اب یہ کہ درخواستیں کرتے ہیں کہ ہمیں سند دے دو۔ جس نے وہ زمانہ دیکھا ہو، بھلا اس کو ایسی باتوں کا کیونکر تحمل ہو؟۔

☆.....☆.....☆

# وفاق المدارس اور مولانا مفتی محمد تقی عثمانی

جناب نوید مسعود ہاشمی

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سلیم اعجاز دامت برکاتہم العالیہ جامعہ انوار العلوم دھیر کوٹ کے مہتمم اور آزاد جموں و کشمیر اور پاکستان کی انتہائی متبحر علمی شخصیت ہیں، خطہ کشمیر کے ممتاز اور جید عالم دین مولانا سلیم اعجاز کا ایک خط گزشتہ روز اس خاکسار کو کراچی میں موصول ہوا، دردمندی سے لکھی گئی اس تحریر کو "مینارہ نور" کی زینت اس لئے بنا رہا ہوں کہ شائد کسی کے دل میں اتر جائیں خیر کی یہ باتیں، مولانا لکھتے ہیں کہ:

''الٰہی تعلیمات کا تحفظ امت مسلمہ کا وہ اعزاز ہے جو ایک طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دائمی معجزوں کا تسلسل اور دوسری طرف دین اسلام کے آخری اور دائمی دین ہونے کی علامت بھی ہے، مدارس دینیہ ہر دور میں عالمی اور علاقائی سازشوں کے باجود اس اعزاز کی حفاظت کرتے آرہے ہیں۔ غار حرا کی تنہائیوں سے پڑھنے پڑھانے کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا وہ گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ مختلف ادوار میں مختلف انداز کے ساتھ دار ارقم اور صفہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے بعد امت مسلمہ کی چودہ سو سالہ تاریخ میں دنیا بھر میں مدارس اسلامیہ عربیہ کی صورت میں اور آج عالم اسلام کے ہر گوشے میں پھیلے ہوئے دینی مدارس اور مکاتب کی صورت میں جاری ہے۔

اس وقت دنیا بھر میں کسی فرد یا طبقے میں دین کی کوئی روشنی یا رمق پائی جاتی ہے تو اس کے پیچھے انہی مدارس کا کردار کام کر رہا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ برصغیر میں 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد سلطنت برطانیہ نے جس منظّم انداز سے مسلمانوں کو دین اسلام اور اس کی تعلیمات سے لاتعلق کرنے کے لئے اسلامی تعلیمات کے خاتمے کے اقدامات کئے تھے۔ ان ناپاک اقدامات کے پیش نظر دور بین نگاہ رکھنے والے علما امت نے جس سادگی اور خلوص کے ساتھ 30 مئی 1866ء کو دیوبند کے قصبے میں انار کے درخت تلے ایک استاد اور ایک شاگرد کے ساتھ مدرسہ کی بنیاد رکھی تھی، کسے معلوم تھا کہ وہ ادارہ آنے والے دور میں عالمی مغربی استعمار اور باطل تہذیب کے راستے کا وہ کوہ گراں ثابت ہوگا جسے ہٹانے کے لئے پوری دنیا کا استعمار اور باطل طاقتیں بے بس ہو کر رہ جائیں گی، "فللہ الحمد۔

"لا الہ الا اللہ کی عملداری دینے والے ملک پاکستان میں امید تھی کہ ان "الٰہی تعلیمات" کے تحفظ اور نفاذ کو قومی تعلیمی پالیسی کا اہم ترین حصہ بنایا جائے گا اور نظام تعلیم انہی الٰہی تعلیمات کی روشنی میں وضع کیا جائے گا، لیکن اس

مملکت کے جغرافیہ کی آزادی کے باوجود اس کے مناصب جلیلہ پر اسے افراد کو بٹھایا گیا جو فکر وسوچ اعتقاد و اعمال میں اب بھی انگریز اور اس کے نظام تعلیم کے غلام تھے اور ہیں، لہٰذا ایسے افراد وطبقات کے ہاتھ میں ملک کی زمام اقتدار آنے سے انگریزی فکر وسوچ کو تحفظ دینے، دین سے بیزاری، بغاوت اور مولوی کو دیس نکالا دینے کی سوچ کو بڑھایا جارہا ہے۔

ایسے حالات میں 30 مئی 1866ء کی فکر وسوچ کے امین علما نے پاکستان کو ان الٰہی تعلیمات کے تحفظ کا سب سے بڑا مرکز بنانے کے لئے 1960ء میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی بنیاد رکھی اور الحمدللہ آج 25000 سے زائد مدارس دینیہ میں کم وبیش 35 لاکھ کے لگ بھگ طلبا وطالبات "الٰہی تعلیمات" کے حصول میں کوشاں ہیں، تاکہ ان الٰہی تعلیمات کے امین بن کر اگلی نسلوں تک اس امانت کو پہنچانے کا اہم ترین فریضہ سرانجام دے سکیں، اور اس وقت پاکستان میں آئینی اور دستوری حوالے سے ان الٰہی تعلیمات کو جو تحفظ حاصل ہے انفرادی اور اجتماعی زندگی میں جو دین کی بہاریں نظر آرہی ہیں اس میں ایک بہت بڑا حصہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان اور اس سے ملحقہ مدارس کا ہے۔

آج شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ جیسی عالمی علمی قدآور شخصیت کی سرپرستی نے "وفاق" کو "آفاق" تک پہنچادیا ہے۔ وفاق اور اس کا یہ کردار عالم مغرب کے لئے سب سے بڑا خوف ہے کہ تمام دینی خدمات کے ہر شعبے دعوت وتبلیغ، اصلاح وتصوف عالمی سیاسی حالات پر نگاہ رکھ کر مسلمانوں کو ان سازشوں سے آگاہ کرنا ہو، یا عالم کفر کے بڑھتے ہوئے قدموں کو جہادی میدانوں میں شکست دینا، ہر محاذ پر وفاق المدارس کا کردار اس کی روح اور اس کے فرزندان کام کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

وفاق المدارس کے اس اجلے کردار پر انگلی اٹھانے اور نقب زنی کے لئے ایسے حالات میں کہ جب امریکہ اور عالم کفر کی پشت پناہی میں اسرائیلی دہشت گرد، فلسطین میں مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیل رہے ہیں۔ اس عالمی دہشت گردی کے خلاف جو منظم اور طاقتور آواز صدر وفاق شیخ الاسلام مفتی تقی عثمانی مدظلہ نے اٹھائی ہے۔ غالباً انہی عالمی دہشت گردوں نے کچھ سادہ لوح اور بزعم خود اہل علم کہلانے والوں کو حضرت شیخ الاسلام کے اس عالمی کردار کو دھندلانے کا ٹاسک دے رکھا ہے جس کا اظہار کچھ دنوں سے تسلسل کے ساتھ مختلف ناموں سے سوشل میڈیا کے پلیٹ فارم پر گاہے بگاہے نظر آرہا ہے۔

وفاق المدارس العربیہ پاکستان اس وقت پاکستان کا سب سے بڑا تعلیمی بورڈ ہے اس کا ایک حصہ نصاب کمیٹی بھی ہے، جو وقتاً فوقتاً حالات کے تقاضوں کے پیش نظر نصاب میں تبدیلی کا فریضہ انجام دیتی ہے اور یقیناً ایسے افراد پر

مشتمل ہے جو علمی حوالے سے چنیدہ ہیں اور علمی حلقوں میں ایک متفقہ حیثیت رکھتے ہیں جن کا انتخاب کسی طمع لالچ اور بقول "سوشل میڈیائی مفتیان" کے یہ لوگ روافض اور مودودی نظریات کے حامل ہیں ایسا ہرگز نہیں، سوشل میڈیا پر اس وقت اس کمیٹی کے فیصلوں کے حوالے سے جو طبع آزمائی ہو رہی ہے، یقیناً کسی عالمی سازش کا حصہ ہے جس کا مقصد جہاں محض وفاق المدارس کے کردار کو آلودہ کرنا اور اس کے ثمرات کو روکنا ہے وہاں خصوصاً شیخ الاسلام مفتی تقی مدظلہ کی صورت میں جو ایک مضبوط دیوار کھڑی ہے اس کو گرانا بھی ہے ,اس لئے کہ مفکر اسلام مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ کی ایک متعلقہ کتاب "مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش میں موجود مضمون بار بار پڑھنے کے باوجود کوئی ایسی چیز نہیں مل رہی جس کو بنیاد بنا کر ایک طوفان بدتمیزی برپا کیا گیا ہے۔''

تعصب اور سازش کی عینک اتار کر اگر مطالعہ کیا جائے تو مضمون اور تحریر قابل اعتراض نہیں ہے۔لہٰذا اس کے پیچھے اصل سازش تک پہنچنا اور اسے بھانپنا اور امت کے اس سائبان وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی حفاظت ہماری ذمہ داری ہے۔

## (بقیہ: استعمار کی گود میں دین کی فہم)

مستقبل کا مؤرخ جب اس سارے منظر نامے پر غور کرے گا تو وہ اس بات پر مجبور ہوگا کہ اس خطے اور ان مدارس میں پروان چڑھنے والی فہم دین کی روایت کو مرکزی مقام دے۔لیکن اس کے ساتھ وہ اس سوال پر بھی سوچنے پر مجبور ہوگا کہ جب اس خطے کو فہم دین کی روایت میں مرکزی مقام حاصل تھا تو فہم دین کی وہ کون سی "روایت" تھی جو اس خطے سے اٹھ کر استعمار کی گود میں بیٹھ کر فہم دین کا نعرہ بلند کر رہی تھی۔ وہ استعمار جس کے ہاتھ دنیا بھر کے مسلمانوں کے خون سے رنگین تھے۔ مستقبل کا مؤرخ ضرور سوچے گا کہ کیا اس استعمار کی گود میں جنم لینے والی فہم دین کی روایت نے کبھی امت کی بات کی تھی؟ اس نے کبھی فلسطین کے حق میں دو بول بولے تھے؟۔ میں اور آپ آج یہ سوال نہیں سوچ سکتے کیونکہ ہم اس عہد میں زندہ ہیں اور کسی عہد میں زندہ رہنے والا انسان اس عہد کے حالات وواقعات کو معروضی انداز میں نہیں دیکھ رہا ہوتا۔

مستقبل کا مؤرخ اور ایک عام مسلمان جب اکیسویں صدی میں دنیا بھر کے مسلمانوں اور خصوصاً اہل فلسطین کی دکھ بھری داستان پڑھے گا اور دوسری طرف وہ دیکھے گا کہ عین اسی لمحے اسی استعمار کی گود میں فہم دین کی ایک "عظیم الشان" روایت پروان چڑھ رہی تھی تو کیا وہ اس روایت پر یقین کرے گا؟ کیا میں اور آپ آج یہ یقین کر سکتے ہیں کہ جب بغداد میں مسلمانوں کے خون سے دجلہ وفرات کا پانی سرخ ہو چکا تھا اسی لمحے منگول سلطنت میں فہم دین کی ایک عظیم الشان روایت پروان چڑھ رہی تھی؟۔

# استعمار کی گود میں فہم دین کی؟!

جناب محمد عرفان ندیم

اگر آج کوئی مؤرخ یہ دعویٰ کرے کہ جب چنگیز خان اور ہلاکو خان دنیا بھر کے مسلمانوں کے لیے ایک خوفناک آندھی بن کر آگے بڑھ رہے تھے عین اسی لمحے منگول سلطنت میں فہم دین کی ایک عظیم الشان روایت پروان چڑھ رہی تھی تو کیا آپ اس کا یقین کریں گے؟ اس سوال کے جواب سے قبل میں تاریخ اور مؤرخ کے بارے میں کچھ حقائق آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔ تاریخ وہ علم ہے جس میں ہم ماضی کے اہم واقعات، بادشاہوں کے حالات، جنگوں کی صورتحال اور اہم سماجی معاملات کے بارے میں جانکاری حاصل کرتے ہیں۔

تاریخ کا تصور عموماً ماضی سے جڑا ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اپنے عہد کی تاریخ لکھنا ایک مشکل امر ہوتا ہے۔ کوئی بھی مؤرخ اپنے عہد کی تاریخ اس لیے ٹھیک سے نہیں لکھ پاتا کہ وہ جذباتی طور پر اپنی پسند و ناپسند کا اظہار کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ بعد میں آنے والے مؤرخین کی اس عہد سے جذباتی وابستگی نہیں ہوتی اس لیے وہ انہیں زیادہ بہتر انداز اور حقیقت پسندانہ نظر سے دیکھ رہے ہوتے ہیں اور بہتر نتائج کشید کر سکتے ہیں۔

اگرچہ پچھلی ایک صدی میں ماضی کی طرح حال کی تاریخ لکھنے کی روایت بھی پروان چڑھی ہے، مثلاً جنگ عظیم اول اور دوم کے بعد مؤرخین نے اپنے عہد کی تاریخ لکھنا شروع کی تاکہ انسان اپنے عہد کی سرگرمیوں کا تجزیہ کر کے اپنے مستقبل کو بہتر بنا سکے۔ بلکہ اب تو مستقبل کی تاریخ لکھنے کی روایت بھی پڑ گئی ہی اور ہراری نے Homo Deus A Brief History Tomorrow لکھ کر اس کی شروعات کر دی ہیں لیکن بنیادی طور پر تاریخ کا تعلق انسانوں کی ماضی کی روایات، حقائق، واقعات اور حالات سے ہوتا ہے۔

آج ہم جن حالات واقعات سے گزر رہے ہیں یا دیگر لفظوں میں ہمارے حال کی جو تاریخ ہے ہم اس سے بے خبر ہیں۔ ہم اپنی تاریخ کو اپنی جذباتی وابستگی کے تناظر میں دیکھ رہے ہیں اس لیے ہم اس سے صحیح نتائج بھی کشید نہیں کر رہے۔

مثلاً مستقبل کا مؤرخ جب مذہبی حوالے سے پاکستان کی تاریخ کو موضوع بنائے گا تو اس میں رائج مختلف مسالک، مذہبی شدت پسندی، مذہبی سیاسی جماعتیں، دینی مدارس اور تفہیم دین کی مختلف روایتیں اس کی توجہ کا مرکز ہوں گی۔ آج ہم اپنی اس مذہبی تاریخ کو معروضی انداز میں دیکھ رہے ہیں نہ اس سے درست نتائج کشید کر

رہے ہیں؛ کیونکہ آج ہماری جذباتی وابستگیاں مختلف ہیں۔ہم اپنے مسالک، اپنی مذہبی جماعتوں، اپنے دینی مدارس اور اپنے مسلکی علما سے جذباتی وابستگی رکھتے ہیں اس لیے ہم چیزوں اور حقائق کو درست انداز میں نہیں سمجھ پا رہے۔

اس سب کے باوجود اتنی بات ضرور ہے کہ آج یہ خطہ فہم دین کے حوالے سے دنیا کے دیگر خطوں میں جنم لینے والی فہم دین کی روایات سے کہیں فائز اور ممتاز ہے۔اس کی وجہ اس خطے میں موجود دینی مدارس کی وہ شاندار روایت ہے جو اٹھارہ سو ستاون کے بعد پروان چڑھی۔ان مدارس میں آج بھی قرون وسطیٰ کے روایتی مدارس کی جھلک موجود ہے۔

آج بھی ان دینی مدارس میں قرآن، تجوید، تفسیر و اصول تفسیر، حدیث و اصول حدیث، فقہ و اصول فقہ، منطق، کلام، بلاغت اور دیگر علوم وفنون اسی کلاسیکی اور روایتی انداز میں پڑھائے جا رہے ہیں۔

آج دنیا بھر کے مسلمان اور خصوصاً مغرب کے نوجوان اگر دینی علوم کے حصول کے لیے کہیں جاتے ہیں تو وہ یہی خطہ اور دینی مدارس کی اسی روایت کا انتخاب کرتے ہیں۔ بلکہ اب تو اردو کو اسلامی روایت کے علوم کی زبان کا درجہ حاصل ہو چکا ہے۔

آج اسلامی علوم میں جو ریسرچ ہو رہی ہے، تحقیق وافتا کے حوالے سے جو کام ہو رہا ہے، قدیم کتب کی شرحیں لکھی جا رہی ہیں یا جدید مسائل کے حوالے سے غور وفکر ہو رہا ہے وہ اکثر اردو میں ہو رہا ہے۔ ماضی میں فارسی کو یہ حیثیت حاصل تھی کہ وہ اسلامی علوم کی زبان کہلاتی تھی، برصغیر میں اردو کی ترویج سے قبل بلکہ نصف صدی قبل تک اکثر اسلامی علوم فارسی زبان میں منصۂ شہود پر آتے تھے۔ فارسی سے قبل یہ حیثیت عربی کو حاصل تھی اور آج بھی عربی اس حوالے سے کچھ زیادہ بانچھ نہیں۔

قصہ مختصر! آج یہ خطہ دینی مدارس، کلاسیکی اسلامی علمی روایت اور فہم دین کے حوالے سے امتیازی شان کا حامل ہے۔ دنیا بھر کے مسلمان اور خصوصاً مغرب کا نوجوان حصول علم کے لیے اس خطے اور ان اداروں کا رخ کرنے پر مجبور ہے۔ دنیا بھر کے مسلمان اس خطے کے علما ومفتیان کو راہنمائی کے لیے اپنے ہاں مدعو کرتے رہتے ہیں۔ اہل عرب اس خطے کے علما کی خدمات کے معترف اور ان کی راہنمائی میں کام کرنے پر شاداں ہیں۔ دنیا بھر میں امت مسلمہ کو کہیں تکلیف پہنچے تو اس خطے اور ان مدارس اور علما کی طرف سے سب سے پہلے اور سب سے مضبوط وتوانا آواز بلند ہوتی ہے اور تب تک ہوتی رہتی ہے جب تک زخم مندمل نہ ہو جائیں۔

(باقی صفحہ نمبر: ۴۵)

# ڈیجیٹل نوسر بازی

دینی مدارس کے ساتھ بڑھتی ہوئی وارداتوں کی ایک نئی قسم

جناب اشفاق اللہ جان ڈاگیوال

نوسر بازی کی تاریخ بنی نوع انسان کی تاریخ جتنی قدیم ہے۔حرص ولالچ وہ محرکات ہیں جس کی وجہ سے انسان دھوکے اور چال بازی سے مال بنانے کے لیے نت نئے طریقے اختیار کرتا ہے جسے نوسر بازی، دھوکا دہی اور ٹھگی کے عنوان دیے جاتے ہیں۔نوسر باز کا اصل مقصد چال بازی کے ذریعے کسی کا مال ہتھیانا ہوتا ہے۔

نوسر باز ایسے سوانگ بھرتے ہیں کہ متاثرہ شخص شیشے میں اترتا چلا جاتا ہے اور اسے گمان بھی نہیں ہوتا کہ وہ اپنے مال اسباب سے محروم ہونے جارہا ہے،نوسر باز اپنا مقصد حاصل کر کے رفو چکر ہو جاتا ہے اور جب بندے کو ہوش آتا ہے تو وہ لٹ چکا ہوتا ہے۔اس کے پاس ہاتھ ملنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہوتا۔جس طرح وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہر شعبے میں جدت آرہی ہے بالکل اسی طرح زمانے کے ساتھ نوسر بازی کے انداز بھی بدل رہے ہیں۔

آج کے ڈیجیٹل دور میں نوسر باز بھی ڈیجیٹل نوسر باز بن چکے ہیں۔نوسر بازی کے لیے ٹیکنالوجی کے استعمال کی بات کی جائے تو بات چائنہ کے پلاسٹک کے چاولوں، زردی والے دونمبر مصنوعی انڈوں اور ایلفی سے جڑے چمک دار سینگوں والے بکروں، قربانی کے جانوروں کے مصنوعی دانت لگانے سے ہوتی ہوئی نہ جانے کہاں تک جا پہنچی ہے۔آج کے کالم میں ڈیجیٹل نوسر بازی یعنی سائبر کرائم پر مبنی اپنے ساتھ پیش ہونے والی سچی کہانی آپ کے ساتھ شیئر کر رہا ہوں جسے جان کر آپ کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں گے اور آپ یہ سوچنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ انسان اس قدر کیسے گر سکتا ہے؟

دھوکا،فریب اور نوسر بازی ایسا قبیح عمل ہے جو ہر صورت میں اخلاقی اور شرعی طور پر ناقابلِ معافی جرم ہے جب کہ آج دھوکا دہی،فریب اور نوسر بازی ہمارے معاشرے میں سرائیت کر گئی ہے،اس کو جرم سمجھنا تو دور کی بات نوسر باز مخلوق خدا سے فراڈ کرنا اپنا حق سمجھ کر بیٹھے ہیں۔حالانکہ یہ عمل دین ودنیا میں نقصان کا باعث ہیں۔

زمانے کے ساتھ ساتھ دھوکا دہی،فریب اور نوسر بازی کے اطوار بھی بدل گئے ہیں۔ڈیجیٹل دور میں نوسر بازی کے ڈیجیٹل طریقے مارکیٹ میں آچکے ہیں،جیسا کہ میں نے تمہید میں ذکر کیا کہ نوسر بازی کا ایک واقعہ ہمارے ساتھ بھی پیش آچکا ہے، جسے جان کر انسان پریشان ہو جاتا ہے کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے؟

بہت سے قارئین جانتے ہیں کہ میں ڈاگئی ضلع صوابی میں قائم شیخ الحدیث والقرآن حضرت مولانا حمداللہ جان ڈاگئی باباجی رحمہ اللہ کے یادگار دارالعلوم مظہرالعلوم عربیہ کا مہتمم بھی ہوں جہاں سیکڑوں طلباء علوم نبوت سے فیض یاب ہورہے ہیں۔ ہزاروں طلباء اس عظیم درسگاہ سے فیض حاصل کرکے دنیا کے مختلف ممالک میں قرآن وسنت کی شمعیں روشن کیے بیٹھے ہیں۔اس بین الاقوامی شہرت کے حامل ادارے سے مسلم ممالک کے تمام دینی حلقے واقف ہیں۔

پندرہ اپریل 2024 کو میرے موبائل پر ایک انجانے نمبر سے کئی مس کالز آئی تھیں مگر میں نے کوئی کال اٹینڈ نہیں کی پھر میں نے ان کو فون کیا تو اس نے بتایا میں ملتان کے فلاں مدرسے سے مفتی فلاں بول رہا ہوں۔ میں نے عرض کیا جی مفتی صاحب میں اشفاق اللہ خان ابن ڈاگئی باباجی رحمہ اللہ بات کررہا ہوں تو انھوں نے فرمایا کہ امریکا میں مقیم، جہانگیرہ کے رہنے والے میرے کچھ متعلقین جو مختلف مدارس کے ساتھ تعاون کرتے رہتے ہیں۔آج کل جہانگیرہ آئے ہیں اور اپنے مرحومین کے ایصال ثواب کے لیے مدارس کے طلباء کرام کے لیے راشن کا بندوبست کیا ہے مظہرالعلوم کا حصہ باقی ہے وہ آپ کے حوالے کرنا چاہتے ہیں کیونکہ دو دن بعد وہ امریکا واپس جائیں گے۔

میں نے کہا حضرت میرے لیے کیا حکم۔ وہ مجھ سے رابطہ کریں گے یا میں رابطہ کرونگا دونوں صورتوں میں آپ مجھے ان کا نمبر دے دیں میں ان کا نمبر محفوظ کرلوں تاکہ ان کی کال مس نہ ہوجائے۔انھوں نے جواب دیا کہ صاحب حق صاحب وہ مستورات میں سے ہیں میں ان کا نمبر نہیں دے سکتا میں ان کو کہتا ہوں کہ آپ سے کوئی رابطہ کرے۔ پھر مجھے ایک دوسرے نمبر سے فون آیا کہ مجھے مفتی صاحب نے آپ کا نمبر دیا آپ بتائیں یہ راشن کس طرح پہنچائیں بات مکمل نہیں ہوئی اور کال کٹ گئی۔اگلے دن پھر مذکورہ مفتی کا فون آیا اور بتایا کہ 258 من گندم اور دیگر سامان 2 ٹرکوں میں لوڈ ہوچکا ہے اور ایک مزدا کا سامان باقی ہے مزدا کا بندوبست ہوگیا آپ ساجد صاحب کو اس کے نمبر پر 18680 روپے ایزی پیسہ کے ذریعے ٹرانسفر کریں تاکہ وہ مزدا والے کو دے دیں، اور تینوں گاڑیاں ایک ساتھ روانہ ہوسکیں۔

میں نے تھوڑی دیر بعد اسی نمبر پر کال کی اور ساجد صاحب سے بات ہوئی انھوں نے جلدی رقم ایزی پیسہ پر بھجوانے کا کہا، وہ کہہ رہے تھے کہ میں پٹرول پمپ پر کھڑا ہوں جلدی پیسے بھجوائیں پٹرول کے لیے۔ مجھے ان کی عجلت اور گفتگو مشکوک لگی اس لیے میں ذرا محتاط ہوگیا تھوڑی دیر بعد پہلے والے نمبر سے مذکورہ مفتی صاحب نے پھر فون کیا کہ ساجد صاحب کو ابھی تک رقم نہیں ملی۔ میں نے کہا بہتر یہ ہے کہ آپ سامان دارالعلوم بھجوادیں، وہاں نقد رقم ان کو مل جائے گی اور تینوں گاڑیوں کے ڈرائیورز کو اضافی 2،2 ہزار روپے بھی مل جائیں گے۔

مگر انہوں نے کہا کہ انکو پٹرول ڈلوانے کے لیے پیسے چاہیے۔ میں نے ساجد صاحب کو فون کیا اور پوچھا کہ آپ

جہانگیرہ میں جس پٹرول پمپ پر کھڑے ہیں آپ میری پٹرول پمپ کے مینجر سے بات کروائیں وہ ابھی آپکی تینوں گاڑیوں میں پٹرول ڈلوادیگا مگر رابطہ ٹوٹ گیا۔ میں نے پھر فون کیا کہ میرا کزن جہانگیرہ چوک میں کھڑا ہے پیسے لے کر، آپ جہانگیرہ چوک جا کر پیسے وصول کریں۔ اس کے بعد میں نے دونوں نمبرز پر کئی بار رابطہ کیا مگر رابطہ نہیں ہوا۔ بینک اکاونٹ کی تفصیلات معلوم کرنے کے لیے اس قسم کے فون میرے سمیت ہر بندے کو آتے رہتے ہیں شکر الحمدللہ میں ابھی تک محفوظ رہا ہوں مگر ہزاروں نہیں لاکھوں لوگوں کے ساتھ یہ فراڈ بھی ہو چکے ہیں۔

پھر پتہ چلا ہری پور ہزارہ سے تعلق رکھنے والے میرے بابا جان رحمہ اللہ کے ایک مرحوم دوست اور ممتاز عالم دین کے برخوردار و جانشین اور اپنے دارالعلوم کے مہتمم قاری فیوض الرحمٰن صاحب کو اسی نمبر سے کال آئی کہ میں مفتی فلاں بول رہا ہوں ملتان سے، بالاکوٹ سے واپسی پر میرے دو بیٹوں کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے ایک بیٹے کی ٹانگ کٹ گئی ہے اور دوسرا شدید زخمی ہے آپ ان کے ساتھ موجود ساتھی کے نمبر پر 30 ہزار روپے ٹرانسفر کر دیں اور قاری فیوض الرحمٰن صاحب نے فوراً پیسے ٹرانسفر کر دیے۔

10 منٹ بعد پھر فون آیا کہ میرے ایک بیٹے کا انتقال ہو گیا دوسرا ایوب کمپلیکس کے ایمرجنسی وارڈ میں ہے آپ 20 ہزار روپے مزید ایزی پیسہ کے ذریعے ٹرانسفر کر دیں اور قاری صاحب نے پھر 20 ہزار روپے ٹرانسفر کیے۔ تھوڑی دیر بعد پھر فون آیا کہ میں اپنی اہلیہ کے ساتھ ملتان سے چل پڑا ہوں پیسے لے کر، پہنچ کر اہلیہ کو آپ کے گھر چھوڑ کر ہم دونوں ایوب میڈیکل کمپلیکس چلیں گے اور آپ کو پیسے بھی مل جائیں گے۔ تھوڑی دیر بعد پھر فون آیا کہ میرا بیٹا آپریشن تھیٹر میں ہے آپ ڈاکٹر کے نمبر پر مزید 10 ہزار روپے بھیج دیں قاری صاحب نے ایک بار پھر 10 ہزار روپے ٹرانسفر کیے۔

اس دوران انکا رابطہ وفاق المدارس کے ذمے داران سے ہوا تو پتہ چلا کہ وہ لٹ چکے ہیں اور اپنی شرافت اور خدا ترسی کی سزا پا چکے ہیں۔ اس کے بعد قاری فیوض الرحمٰن صاحب کا مجھ سے بھی رابطہ ہوا اور میں نے ان کو تفصیل سے سمجھایا کہ اب ہم نے کیا کرنا ہے۔ مگر نوسر بازوں کی بے شرمی اور دیدہ دلیری دیکھیں کہ 60 ہزار روپے ہتھیانے کے بعد بھی جعلی مفتی صاحب سارا دن ان کو فون کرتا رہا اور مزید پیسے مانگتا رہا۔

یہ حقیقت ہے کہ دینی مدارس شدید مالی مشکلات بلکہ بحران کا شکار ہیں اور ان انحصار عوام کی زکوٰۃ وعطیات پر ہے، مگر گزشتہ تین چار سال سے مسلسل بڑھتی ہوئی مہنگائی نے لوگوں کی مالی حالت پتلی کر دی ہے۔ جو کل زکوۃ دیتا تھا آج وہ صاحب نصاب نہیں رہا اور خود زکوۃ کا مستحق ہے، لہٰذا اس صورتحال کا مدارس کی آمدن پر بھی اثر پڑنا فطری تھا مگر افسوس کہ ا؟ کے قہر کو دعوت دینے والے نوسر باز اب ''مدارس وعلماء'' کو لوٹنے کے لیے متحرک ہیں۔

کچھ عرصے سے مدارس کی طرف سے یہ شکایات سننے میں آرہی ہیں کہ دینی مدارس یا معروف مذہبی شخصیات کا نام استعمال کر کے مختلف دینی مدارس کے ذمہ داران و منتظمین کے ساتھ دھوکہ دہی کی جارہی ہے۔ بعض اوقات مدارس کو گندم، راشن یا تعمیراتی میٹریل دینے کا لالچ دے کر ٹرانسپورٹ کے کرائے وغیرہ کی مد میں آن لائن رقم بھجوانے کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ ایسے نوسر بازوں سے تمام مدارس کے ذمہ داران محتاط رہیں اور ہرگز ان کو کوئی رقم نہ بھجوائیں۔

ایسے عناصر کے بارے میں ایف آئی اے اور دیگر سرکاری اداروں کو آگاہ کرنا چاہیے۔ یہ مخصوص گروہ بڑے بڑے دینی اداروں اور علماء کے بارے میں پوری معلومات رکھتے ہیں اور پھر نہایت مکاری اور چالبازی سے ان کے عقیدت مندوں کے ساتھ فراڈ کرتے ہیں۔ یہ ڈیجیٹل نوسر باز قرآن وحدیث کی ترویج کے اداروں کو لوٹ رہے ہیں۔ مدارس میں پڑھنے والے نادار، مفلس، بے سہارا اور یتیم بچوں کے منہ سے نوالے چھین رہے ہیں مگر ان کو ایک لمحے کے لیے بھی اللہ کا خوف نہیں آتا۔ درحقیقت یہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مجرم ہیں۔

پولیس اور ایف آئی اے کے سائبر کرائمز ونگز کا یہ قانونی فریضہ ہے کہ ان کے خلاف سخت ایکشن لے کر انہیں نشان عبرت بنائیں۔ حکومتیں مدارس کو سالانہ بجٹ میں ریلیف دینا اپنی ذمہ داری نہیں سمجھتیں لیکن شہریوں کے جان و مال کی حفاظت تو ریاست کی آئینی ذمہ داری ہے۔ اس گروہ کو پکڑانے کے لیے میں پولیس اور ایف آئی اے سائبر کرائمز برانچ دونوں کو درخواست دے چکا ہوں، قاری فیوض الرحمٰن صاحب اور مفتی انور اوکاڑوی صاحب کو مشورہ دیا ہے کہ وہ بھی درخواست دیں تاکہ ڈیجیٹل نوسر بازوں کے اس گروہ کی بیخ کنی کی جاسکے۔

یہ تو صرف دو واقعات ہیں جو میرے ساتھ اور میرے جاننے والے کے ساتھ پیش آئے، ایسے نجانے کتنے واقعات روز ہوتے ہیں جو رپورٹ بھی نہیں ہوتے۔ پاکستان جیسے ملک میں اس طرح کے شاطر نوسر باز اور عوامی مسائل سے لاتعلق اور کاہل اور نالائق سرکاری اداروں کو دیکھتا ہوں تو مایوس ہوتا ہوں مگر اس بار میرا دل کہتا ہے کہ اس کیس میں اللہ رب العزت مدارس کے فقیر و مسکین طلبا کے منہ سے نوالے چھننے کے جرم میں ملوث ان ظالموں کو ضرور کیفر کردار تک پہنچائے گا۔

میں نے اس فراڈیے گروپ کے بارے ایف آئی اے سائبر کرائم کو پوری فائل بنا کر دے دی ہے تاکہ وہ ان ظالم اور بے رحم ڈکیتوں کے خلاف آئین و قانون کے تحت کارروائی شروع کریں اور ان کو قانون کے کٹہرے میں لانے میں کامیاب ہوسکیں۔ پہلے پولیس کا گلہ ہوتا تھا کہ ڈاکوؤں اور جرائم پیشہ افراد کے پاس پولیس سے بہتر اسلحہ، ٹرانسپورٹ اور کمیونیکیشن کے ذرائع ہیں، اس لیے مجرموں تک پہنچنا اور گرفتار کرنا آسان نہیں۔ مگر آج ایف آئی

اے سائبر کرائم کے ذمہ داران سے تفصیلی گفتگو کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ سائبر برانچ بھی پولیس کی طرح وسائل کی کمی، غیر واضح قوانین اور قانونی پیچیدگیوں کا شکار ہے۔

قانونی ابہام یا کنفیوژن کا اندازہ یوں لگایا جاسکتا ہے کہ کسی شہری کو نوسر باز روزانہ کی بنیاد پر فون کالز یا میسجز کے ذریعے لوٹنے کی کوشش کریں، یہ فراڈیا گروہ متعدد شہریوں کو لوٹ چکا ہو اور اپنا کام جاری رکھے ہوئے ہو، سائبر کرائم برانچ کارروائی شروع نہیں کرسکتی۔ کیوں کہ قانون کا تقاضا ہے کہ پہلے اس ملک کا شہری نوسر بازوں کے ہاتھوں لٹے، پھر اس کی شکایت پر کارروائی شروع ہوسکتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس ڈیجیٹل دور میں سائبر کرائمز کی نوعیت، حلیت اور انداز روز بدلتے ہیں لہٰذا مجرموں کا پلڑا سائبر کرائم برانچ پر بھاری ہے۔

مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ اگر پولیس اور ایف آئی اے ڈیجیٹل نوسر بازی کو سنگین جرم سمجھے، حکومت سرکاری اہلکاروں کو جدید ٹیکنالوجی مہیا کرے اور وہ اپنے کام سے کمیٹڈ ہوں تو سائبر کریمنلز پہلی واردات کے بعد ہی پکڑے جاتے ہیں۔ یوں مجرموں کی پہلی واردات ہی آخری واردات ثابت ہوگی۔ یہ ایک اور تلخ حقیقت ہے کہ صرف اداروں کو موردالزام ٹھہرانا غلط ہے کیونکہ ہمارے قانون ساز اداروں میں بیٹھے سیاستدانوں اور قانون سازوں نے جو قوانین پاس کیے ہیں۔

ان میں مجرموں کے فائدے کے لیے پوری سہولت کاری کی ہے اور قوانین میں ایسی خامیاں، کمیاں، کمزوریاں اور ابہام رکھ دیے جن کی وجہ مجرموں کو پکڑنا اور سزا دلوانا اندھیرے میں کالی بلی پکڑنے والی بات ہے۔ مگر میرا یقین ہے ایف آئی اے سائبر برانچ اور پولیس کے متعلقہ ذمہ داران اپنا کام اخلاص اور مستعدی کے ساتھ کریں گے تو وہ بہت جلد مجرموں کو قانون کے کٹہرے میں لا کھڑا کریں گے۔

ابھی تو کیس شروع ہوا ہے اور کارروائی ابتدائی اسٹیج پر ہے مگر بہت جلد میں تبدیلی کے قارئین کو مجرموں کی گرفتاری کے بارے میں خوشخبری یا اداروں کی مجبوریوں کو تفصیل سے آگاہ کروں گا۔ آخر میں مدارس کے ذمہ داران، علماء کرام اور تمام پاکستانیوں سے ایک درخواست کروں گا کہ یہ ملک اور ہم عوام نوسر بازوں کے نرغے میں ہے۔ فون کالز پر کسی کو کوئی رقم بلا تصدیق و تحقیق نہ دیں، چاہے وہ جتنی بڑی ایمرجنسی کا ذکر کرے اور اللہ رب العزت اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے دے، ورنہ آپ روز لٹتے رہیں گے اور لٹنے کے بعد قانون کی راہداریوں میں رُلتے رہیں گے۔ فی الحال یہی دعا ہے کہ پروردگار ہم عام پاکستانیوں پر رحم و کرم کر، ہماری حفاظت کا بندوبست خود فرما۔ یا منتقم اللہ آپ خود اپنی شان کے مطابق ان ظالموں سے انتقام لے کر نشان عبرت بنا دے۔ آمین ثم آمین یا رب العالمین۔ ☆☆

# رُکے گا اب یہ سیل رواں کیونکر؟!

امریکی تعلیمی اداروں میں طلبہ اور نوجوانوں کی اسرائیل مخالف تحریک پر ایک سیر حاصل تبصرہ

جناب ڈاکٹر تصور اسلم بھٹہ

امریکہ یونیورسٹیوں کا گڑھ ہے۔ یہاں 439 یونیورسٹیاں ہیں۔ اور یہی یونیورسٹیاں امریکہ کی ترقی کا راز ہیں۔

کولمبیا یونیورسٹی امریکہ کی قدیم ترین یونیورسٹی ہے اور اس کا آغاز 1754ء میں کنگز کالج کے طور پر مین ہٹن نیویارک میں ہوا۔ 1896ء میں یہ اپنے موجودہ مقام مارننگ سائیڈ ہائٹس Morningside Heights میں منتقل ہوئی اور اس کا نام کولمبیا یونیورسٹی رکھا گیا۔ دنیا بھر کی یونیورسٹیوں کی رینکنگ میں اس کا نمبر سترہ ہے اور 2023ء میں اس کا سالانہ بجٹ چھ بلین ڈالر کے لگ بھگ تھا۔

اس میں تقریباً سینتالیس ہزار طلبہ وطالبات زیر تعلیم ہیں۔ اس میں پڑھانے والے اساتذہ کی تعداد پانچ ہزار کے لگ بھگ ہے۔

اس یونیورسٹی کے الومینائی Alumni میں امریکہ کے سات بانی (Founding Fathers)، چار امریکی صدور، چونتیس غیر ملکی سربراہان مملکت، اقوام متحدہ کے دو سیکریٹری جنرل، سپریم کورٹ کے دس جج، ایک سو تین نوبل پرائز یافتہ افراد، ترپین کھرب پتی Billionaire اور ایک سو پچیس قومی ایوارڈ یافتہ سائنسدان، تینیس اولمپک ایوارڈ جیتنے والے، تنتیس اکیڈمی ایوارڈ یافتہ اور دوسرے بے شمار بین الاقوامی شہرت کے حامل افراد شامل ہیں۔ 1776ء میں اس یونیورسٹی نے امریکی جنگ آزادی میں اہم کردار ادا کیا۔ ایٹم بم بنانے کا میدان ہو سائنسی تحقیق کی دوڑ ہو یا سیاسی میدان میں شعور اور آگہی پیدا کرنے کا مرحلہ۔ کولمبیا یونیورسٹی نے ہر دور میں امریکہ کی ترقی میں انتہائی اہم کردار ادا کیا ہے۔

1968ء کا موسم بہار آیا تو اس یونیورسٹی کے طلبہ کے علم میں یہ بات آئی کہ یونیورسٹی ویت نام کی جنگ میں ملوث ہے اور امریکی گورنمنٹ کی مدد کر رہی ہے۔ جس پر طلبہ میں بے چینی پھیل گئی جس نے احتجاج کی صورت اختیار کر لی۔ طلبہ نے یونیورسٹی کی عمارات پر قبضہ کر لیا۔ انتظامیہ نے پولیس بلا لی۔ صورت حال بگڑ گئی۔ پولیس اور طلبہ کے تصادم میں دونوں طرف کا نقصان ہوا۔ اور پھر یہ احتجاج پورے ملک میں پھیل گیا۔ امریکہ کی تمام یونیورسٹیاں تعلیمی

ادارے اس کی زد میں آ گئے۔ جنگ مخالف آ گہی اور شعور تعلیمی اداروں سے نکل کر شہروں میں پھیل گیا، ملک کے گلی کوچوں میں ویت نام جنگ کی مخالفت ہونے لگی۔ اور یوں امریکہ ویت نام سے اپنی فوجیں نکالنے پر مجبور ہو گیا۔

ستر سال تک اسرائیل نے امریکہ کے سہارے مظلوم فلسطینیوں پر ظلم وستم کا بازار گرم کئے رکھا امریکہ اسرائیل کی رکھیل کا کردار ادا کرتا رہا۔ لیکن اب لگتا ہے کہ تاریخ کا پہیہ ایک بار پھر الٹا گھومنا شروع ہو گیا ہے۔ غزہ کے ہزاروں بے گناہ مظلوموں کا لہو سر چڑھ کر بولنا شروع ہو گیا ہے۔ لاکھوں بھوکے پیاسے بچوں کی فریادیں اقوام عالم کے سوئے ضمیر پر دستک دینے لگی ہیں۔

7 اکتوبر 2023ء کو حماس نے اسرائیل پر حملہ کر دیا جس کے نتیجے میں اسرائیلی فوج غزہ میں گھس گئی اور بے دریغ اور بلا تخصیص عورتوں اور بچوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ پچیس لاکھ انسانوں پر زندگی تنگ کر دی۔ آسمان سے آگ برسانی شروع کر دی اور زمینی فوجی یلغار کے ذریعے لاکھوں بے بس اور نہتے فلسطینیوں کو در بدر کر دیا۔ بچے بوڑھے خواتین دو وقت کی روٹی کی بھیک مانگنے لگے بیمار اور زخمی علاج کے لئے ترس گئے۔ جس کے نتیجے میں ساری دنیا میں فلسطینیوں کے لئے ہمدردی کی ایک لہر دوڑ گئی۔

کولمبیا یونیورسٹی کے طلبہ بھی ہمدردی کی اس لہر کی زد میں آ گئے۔ اور یونیورسٹی میں احتجاج شروع ہو گیا۔ جس کے نتیجے میں 12 اکتوبر کو یونیورسٹی بند کر دی گئی لیکن احتجاج جاری رہا۔

نومبر 2023ء کو یونیورسٹی انتظامیہ نے ایس جے پی (Students for Justice in Palestine) اور جے وی پی (Jewish Voice for Peace) نامی دو طلبہ تنظیموں پر پابندی لگا دی۔ لیکن وہ طلبہ احتجاج روکنے میں ناکام رہے۔

دسمبر میں اس یونیورسٹی کے طلبہ نے ہیلری کلنٹن کے ایک بیان کے جواب میں کلاسز کا بائیکاٹ کیا اور ریلیاں نکالیں جس میں اس نے اسرائیل کی حمایت کرتے ہوئے غزہ میں جنگ بندی کی مخالفت کی تھی۔

جنوری 2024ء میں یونیورسٹی کے یہودی اور اسرائیلی حمایتیوں نے ان طلبہ پر مرچوں اور ایک گندی بدبو والے کیمیکل کا سپرے کیا۔ جو غزہ کے مظلوم فلسطینیوں کے حق میں ایک ریلی نکال رہے تھے۔ جس پر طلبہ میں اشتعال پھیل گیا۔

جس کی وجہ سے اسرائیل کے حمائتی طلبہ کا یونیورسٹی میں آنا مشکل ہو گیا۔ نیویارک پولیس نے اس واقعہ کی تحقیق کی اور چند یہودی طلبہ اور آؤٹ سائڈرز کو گرفتار بھی کیا جنہوں نے اس جرم کا ارتکاب کیا تھا۔

جنوری میں ہی ان طلبہ نے پرامن احتجاج کا ایک نیا رستہ ڈھونڈ نکالا انہوں نے یونیورسٹی کے مشرقی لان میں

خیموں کا ایک شہر آباد کرلیا۔سینکڑوں طلبہ ہاسٹل اور گھروں کی رہائش چھوڑ کر یہاں آباد ہو گئے۔اور ہر روز ان خیموں کی تعداد بڑھنے لگی۔ وہ کیمپ جو دو تین خیموں سے شروع ہوا تھا اب سینکڑوں خیموں پر مشتمل تھا۔خیموں کا یہ احتجاجی شہر اتنا بارونق ہو گیا کہ اب یہاں دن رات ایک میلہ سا لگا رہتا۔

احتجاج کا یہ طریقہ اتنا مقبول ہوا کہ دیکھتے دیکھتے ہی امریکہ کی کئی یونیورسٹیوں میں ایسے احتجاجی شہر آباد ہو گئے۔ یہ سلسلہ پھیلنے لگا تو پہلی بار امریکہ کی زائیونسٹ لابی کو احساس ہوا کہ کھیل ان کے ہاتھ سے نکل رہا ہے۔انہوں نے امریکی گورنمنٹ کے ذریعے ان یونیورسٹیز کے سربراہان پر اس احتجاج کو ختم کرنے کے لئے دباؤ ڈالا اور جب ان تعلیمی اداروں کے سربراہوں نے پرامن طلبہ معاملات میں دخل دینے سے انکار کیا تو امریکہ کی دس سے زیادہ یونیورسٹیز کے سربراہ تبدیل کر دیئے گئے۔

لیکن کولمبیا یونیورسٹی کی صدر نعمت مینوش شفیق Minouche Shafik کو برقرار رکھا گیا۔ کیونکہ اس نے احتجاج کرنے والے طلبہ کے خلاف سخت اقدام اٹھانے کی یقین دہانی کروائی تھی۔مینوش شفیق ایک مسلمان مصری نژاد امریکن ہے جو برطانوی شہریت بھی رکھتی ہے۔

مینوش نے چار طلبہ کو یونیورسٹی سے نکال دیا اور کئی سخت انتظامی اقدام بھی اٹھائے لیکن وہ اس تحریک کو دبانے میں ناکام رہی۔

زائیونسٹ لابی کی بے چینی بڑھنے لگی۔اس نے اپنا پورا اثر ورسوخ استعمال کیا۔

17 اپریل کو صبح دس بجے امریکن سینٹ نے مینوش شفیق کو سینٹ میں طلب کیا اور وہاں اس کی خوب گوشمالی کی گئی۔جس پر اسی دن شام چار بجے مینوش نے نیویارک پولیس NYPD کو 1968ء کے بعد پہلی مرتبہ کیمپس میں داخلے کی اجازت دی اور پولیس نے زبردستی یہ خیمہ بستی اکھاڑ پھینکی اور مزاحمت کرنے والے طلبہ پر تشدد کیا اور اور ایک سو آٹھ طلبہ کو حراست میں لے لیا۔جن میں امریکن سنیٹر الحان عمر کی بیٹی اسراء ہریسی بھی شامل تھی۔جس وقت پولیس ان مظاہرین کے خلاف ایکشن لے رہی تھی اس وقت 114th Street اور ایمسٹرڈیم ایونیو پر اسرائیل کے حامی امریکی جھنڈا لہراتے ہوئے جشن منا رہے تھے۔گرفتار شدگان کو عدالت نے اگلے ہی دن رہا کر دیا۔اور انہوں نے واپس آ کر اپنی بستی پھر آباد کر لی۔کولمبیا یونیورسٹی کے ایک پریس ریلیز کے مطابق گرفتار کئے جانے والے سو سے زیادہ طلبہ کو یونیورسٹی سے نکال دیا گیا ہے۔کولمبیا یونیورسٹی کے ریڈیو چینل FM-WKCR کے دفتر پر بھی تالا لگا دیا گیا۔کیونکہ وہ طلبہ کی احتجاجی خبریں نشر کر رہا تھا۔

یونیورسٹی کو غیر معینہ مدت کے لئے بند کر دیا گیا اور طلبہ کو آن لائن لیکچر لینے کی ہدایت کی گئی۔ جو اکثر طلبہ نے

احتجاجاً مسترد کردی۔

پولیس کی کیمپس میں داخلے،طلبہ پر تشدد،گرفتاری،ان کے یونیورسٹی سے اخراج اور یونیورسٹی کی بندش کی خبر پھیلی تو امریکہ کی دوسری یونیورسٹیز بھی اس کی لپیٹ میں آگئیں ملک بھر کے طلبہ میں اشتعال پھیل گیا اور یوں یہ تحریک پورے ملک میں پھیل گئی جن یونیورسٹیز کے طلبہ پہلے ان معاملات سے بےخبر اور دور تھے وہ بھی اس میں شامل ہو گئے۔اب ان دس دنوں میں یہ تحریک امریکہ کی پچیس سے زیادہ ریاستوں کی تقریباً ڈیڑھ سو یونیورسٹیز میں پھیل چکی ہے۔پانچ سو سے زائد مظاہرین کو گرفتار کیا جاچکا ہے۔لیکن حالات تیزی سے بگڑ رہے ہیں۔

اور معاملات ہاتھ سے نکلتے محسوس ہو رہے ہیں۔اٹلی،فرانس، برطانیہ اور یورپ کے کئی اور ممالک کی یونیورسٹیوں کے طلبہ بھی اس میں شامل ہو چکے ہیں۔

آج حمزہ سربلند نے بتایا کہ آسٹریلیا میں یونیورسٹی آف کوئنز لینڈ بریسبین،سڈنی یونیورسٹی اور یونیورسٹی آف میلبورن میں بھی احتجاجی خیمہ بستیاں آباد ہو چکی ہیں۔

پچھلے ہفتے دنیا بھر کی ان تمام خیمہ بستیوں میں خیر سگالی کے طور پر یہودیوں کا سالانہ تہوار عید فسح Passover منایا گیا۔ Passover عید فسح یہودیوں کی ایک سالانہ عید ہے جو سات دنوں تک منائی جاتی ہے،اس عید کا آغاز یہودی تقویم کے مطابق 15 اپریل سے ہوتا ہے۔اس کو بعض مسیحی فرقے مثلاً کاتھولک بھی مناتے ہیں۔فسح کو عید فطیر اور "بےخمیری روٹی" کی عید بھی کہا جاتا ہے۔یہ بنی اسرائیل کی فرعون کے قبضے سے رہائی کی یاد میں منائی جاتی ہے۔یہ تہوار عموماً بہار میں جو کی کٹائی کے دنوں میں منایا جاتا ہے۔

ان طلبہ کا مطالبہ ہے کہ:

☆.....امریکی یونیورسٹیاں اپنے عسکری ثقافتی،تعلیمی اور معاشی تعلقات اس وقت تک اسرائیل سے منقطع کر لیں جب تک وہ فلسطینیوں پر ظلم وستم بند نہیں کرتا۔

☆.....امریکی حکومت اسرائیل کی مالی اور فوجی مدد فی الفور بند کرے

☆.....غزہ میں فوری طور پر جنگ بندی کی جائے

☆.....اسرائیل فلسطینیوں کے وجود کو تسلیم کرے اور علیحدہ سٹیٹ کا حق دے۔

ان دس دنوں میں حالات اس قدر خراب ہو گئے کہ نیویارک ٹائمز نے اپنے ایک مضمون کی شہ سرخی میں لکھا۔

What Columbia should have learned from the protests of 1968

امریکہ کی صہیونی لابی،امریکی گورنمنٹ اور اسرائیلی قیادت اب پریشانی اور بوکھلاہٹ کا شکار نظر آتی ہے۔

امریکی انتظامیہ کا ہر پرزہ اس احتجاج کو غیر قانونی، غیر جمہوری، غیر اخلاقی، نسل پرست اور یہود مخالف ثابت کرنے پر لگا ہے۔ بلکہ کچھ نے تو اسے دہشت گردی سے بھی تشبیہ دی ہے۔ دنیا بھر کا میڈیا اس احتجاج کی خبریں دبانے اور روکنے پر لگا ہے بہت کم معلومات سوشل میڈیا کے ذریعے دنیا تک پہنچ رہی ہیں۔

امریکی صدر جو بائیڈن اور اسرائیلی وزیر اعظم نتین یاہو نے اسے اینٹی سمیٹک Antisemitic اور ہٹلر کی باقیات کہہ کر پکارا ہے۔ حالانکہ اس احتجاج میں امریکی یہودیوں کی کئی تنظیمیں جیسے جے وی پی ( Jewish Voice for Peace) جیسی یہودی تنظیمیں بھی اس احتجاج میں شامل ہیں۔

سی یو اے ڈی ( Columbia University Apartheid Divest) اور ڈی ایس اے (DSA) Democratic Socialists of America

جو ان مظاہروں کا ایک اہم حصہ ہیں ان تنظیموں میں بھی امریکی یہودیوں کی ایک بہت بڑی تعداد شامل ہے۔

امریکی سینٹ کے سپیکر مائیک جانسن نے کولمبیا یونیورسٹی کی لولائبریری Low Library کے سامنے تقریر کرتے ہوئے مظاہرین کی مذمت کی، مینوش شفیق کے استعفیٰ کا مطالبہ کیا اور امریکی صدر جو بائیڈن پر زور دیا کہ فوج کے ذریعے مظاہرین سے نپٹا جائے اس نے دعویٰ کرتے ہوئے یہ بے بنیاد الزام لگایا کہ سات اکتوبر کو حماس نے اسرائیلی شیر خوار بچوں کو اوون میں پکایا۔

infants were cooked in ovens"‘‘

اسرائیل کی حمایتی تنظیم سٹینڈ وِد اَس StandWithUs نے کولمبیا یونیورسٹی کے باہر جلوس نکالا اور یونیورسٹی میں داخل ہونے کی کوشش کی، مظاہرین کو کھلی دھمکیاں دیں اور انہیں ہراساں کیا۔

حالات کا اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا کوئی نہیں جانتا لیکن یہ بات اب اظہر من الشمس ہے کہ امریکہ کی زائیونسٹ لابی کو ستر سال میں پہلی بار امریکہ میں اپنے لئے زمین تنگ ہوتی محسوس ہو رہی ہے۔

اسرائیل نے امریکہ اور یورپ کے مغربی معاشرے میں اپنے لئے ہمدردی کا جو نرم گوشہ اور مقام بڑی محنت اور خطیر سرمایہ کاری کے ذریعے پیدا کیا تھا وہ سب اس نوجوان نسل نے سوشل میڈیا سے ملنے والے شعور اور آگہی کی بدولت اپنے جوتوں کی نوک پر رکھ دیا ہے۔ جھوٹی مظلومیت کا شاندار محل جسے بنانے میں یہودیوں کو ایک صدی لگی ان چھ مہینوں کی بربریت ظلم اور دہشت گردی کی بدولت مسمار ہوتا نظر آ رہا ہے۔ ایک منصوبہ انسان بناتے ہیں اور ایک منصوبہ میرے رب کا ہوتا ہے اور بے شک میرا رب ہی ‘‘خیر الماکرین‘‘ ہے۔

# غزہ: 'تہذیبوں کے چوراہے' کی تاریخ

جناب سجاد اظہر

غزہ میں اسرائیلی جارحیت کو دوسو دن پورے ہونے پر مجاہدین بریگیڈ کے ترجمان ابو بلال نے اپنے پریس بیان میں کہا:

''زمین پر موجود تمام شیطانوں کے تعاون سے 200 دنوں سے زیادہ کی جارحیت کے بعد، ہم اب بھی اپنی پوزیشنوں پر قائم ہیں، اور مزاحمت کی قیادت کررہے ہیں، دشمن کی گاڑیوں کو تباہ کررہے ہیں، اور اس کے قلعوں اور مقامات کو مسمار کررہے ہیں۔ ہم اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ جب تک ہمارے لوگوں کے اہداف حاصل نہیں ہوجاتے اپنی لڑائی جاری رکھیں گے اور اپنی پوزیشنوں پر قائم رہیں گے۔ ہم نازی دہشت گرد دشمن فوج کو تباہ کرنے کے لیے اقدامات جاری رکھے ہوئے ہیں اور یہ ایک قانونی، اخلاقی، انسانی اور قومی فریضہ ہے۔ ہم میزائل بمباری کی کارروائیوں کا اعلان کرتے ہیں، ہم ان دنوں میں دشمن کی بستیوں اور مقامات پر بمباری کریں گے۔ ہمارا غزہ اور مغربی کنارے میں اپنی کارروائیوں کو جاری رکھنا اور اپنے میزائلوں کو داغنا دشمن کی ناکامی کا واضح ثبوت ہے۔''

اس بات میں کوئی شک نہیں کہا سرائیل کی تباہ کن بمباری کے باوجود مجاہدین فلسطین کے حوصلے بلند اور ان کے قدم مضبوط ہیں۔ اگرچہ غزہ کی پوری پٹی ملبے کے ڈھیر کا منظر پیش کررہی ہے، عوام خیموں میں پناہ گزیں ہیں، اور وہ موت کے بھیانک جبڑوں میں اپنی زندگی کے مشکل ترین ایام گزار رہے ہیں، اس کے باوجود وہ بھی اپنے مجاہدین کے شانہ بشانہ کھڑے ہیں۔ اہل غزہ کی اس غیر معمولی استقامت اور مقاومت نے دنیا کو حیران کردیا ہے۔ مجاہدین فلسطین سیاسی، سفارتی اور اخلاقی سپورٹ بھی مسلسل حاصل کررہے ہیں۔ اسرائیل کے سب سے بڑے محافظ امریکا میں کالجز اور یونیورسٹی کے طلبہ اسرائیل کے خلاف دھرنے دے رہے ہیں۔ وہ کلاسوں کا بائیکاٹ کررہے ہیں، احتجاجی مظاہرے منظم کررہے ہیں۔ ایسے میں ''غزہ کیا ہے؟.....اس کی تاریخ کیا ہے؟''.....دنیا غزہ کو جاننا چاہتی ہے۔ ذیل کا مضمون اسی تاریخ کا طائرانہ احاطہ کرتا ہے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ اپنی مثالی اسٹریٹیجک حیثیت کی وجہ سے غزہ کا علاقہ کئی بار تباہ ہوا اور کئی بار آباد ہوا۔ چار ہزار سال پر محیط اس کی معلوم تاریخ کو دیکھا جائے تو بجا طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ غزہ کے رہنے والوں کو موت کے منہ میں

جینے کا ہنر وراثت میں ملا ہے۔

ذرا غزہ کی پٹی کے جغرافیے پر ایک نظر دوڑائیے: اس کے مغرب میں بحیرہ روم، جنوب مغرب میں صحرائے سینا، مشرق میں شام، جب کہ شمال مشرق میں بیت المقدس واقع ہیں۔ اس مختصر سی پٹی کا 11 کلومیٹر کا علاقہ مصر سے ملتا ہے۔ یہی جغرافیائی مرکزیت ہے جس کی وجہ سے کئی طالع آزما جرنیلوں، دلیر سلطانوں، الوالعزم بادشاہوں اور باہمت امیروں نے یہاں کی مٹی پر جنگیں لڑی ہیں، یہ علاقہ کئی بار تاراج ہوا، پھر تعمیر ہوا، پھر جلایا گیا۔ اس علاقے کی مٹی کھودی جائے تو اس میں تہہ بہ تہہ تاریخ کی اَن گنت کہانیاں چھپی ہوئی ملیں گی۔

یہی وجہ ہے کہ یہ چھوٹی سی پٹی تہذیبوں کا چوراہا کہی جاسکتی ہے، کیوں کہ یہاں سے ایشیا، افریقہ اور یورپ کو آپس میں ملانے والے اہم سمندری اور زمینی راستے گزرتے ہیں۔ غزہ کے موجودہ باسی اسی تاریخی سرزمین کے باثروت ورثے کے مالک ہیں اور اسی زمین پر وہ آج کل زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہیں۔

اس سرزمین پر پہلی آبادی کے آثار پتھر کے زمانے تک جاتے ہیں۔ یہاں کئی سلطنتوں کا جھنڈا لہرایا اور اتارا گیا۔ کنعانی باشندوں کا یہ شہر قدیم مصری شہنشاہوں کی سلطنت کا حصہ رہا پھر 730 ق م میں یہ اشوری سلطنت کا حصہ بن گیا، جو چودھویں سے ساتویں صدی ق م تک دنیا کی عظیم سلطنت رہی ہے۔

332 ق م میں غزہ کو سکندر اعظم نے فتح کرلیا۔ بعد میں یہ خطہ رومیوں کی دسترس میں آ گیا جس کے دوران عرب بیدونی یہاں آکر آباد ہونا شروع ہوئے۔ 96 ق م میں ہاسمونین سلطنت نے غزہ کو تاراج کردیا، جس کے بعد رومیوں نے اس کی تعمیر نو کی اور یہاں خوشحالی کا دور دورہ شروع ہوا۔

شہر کا انتظام وانصرام چلانے کے لیے شہر کی باسیوں جن میں یونانی، رومی، یہودی، مصری، ایرانی اور عرب شامل تھے، پر مشتمل ایک سینیٹ بنائی گئی۔ پھر جب سینٹ فارفائرس کے دور میں شہر مسیحی بن گیا تو اس نے یہاں پر قائم آٹھ قدیم مندر مسمار کردیے۔

637 میں غزہ کو مسلم جرنیل عمرو ابن العاص نے فتح کرلیا اور غزہ کی زیادہ تر آبادی نے اسلام قبول کرلیا۔

بعد ازاں غزہ کی تاریخ میں کئی نشیب وفراز آئے۔ فاطمیوں کے دور میں صلیبیوں نے غزہ کو مسلمانوں سے چھین لیا تاہم سلطان صلاح الدین ایوبی نے یہ قبضہ واپس لے لیا۔ تیرہویں صدی تک یہاں مملوک بادشاہوں کا پرچم لہرایا، پھر سولہویں صدی میں یہ سلطنت عثمانیہ کا حصہ بن گیا۔

پہلی جنگ عظیم کے دوران جب برطانوی فوجوں نے فلسطین فتح کیا تو غزہ بھی ان کے کنٹرول میں چلا گیا۔

1948 میں پہلی عرب اسرائیل جنگ کے دوران غزہ کی آبادی کا بڑا حصہ مہاجر بن کر شہر چھوڑنے پر مجبور ہوگیا۔

1949 سے 1967 تک یہاں مصر کی عمل داری رہی۔ اس کے بعد عرب اسرائیل جنگ کے نتیجے میں اسرائیل نے غزہ پر قبضہ کر لیا جو 1994 تک برقرار رہا۔ اوسلو معاہدے کے تحت اسرائیل نے غزہ کی پٹی فلسطینی اتھارٹی کے حوالے کر دی۔

گذشتہ ایک سو سال میں غزہ کا کنٹرول پانچ حکومتوں کے پاس رہ چکا ہے۔ پہلے سلطنت عثمانیہ، پھر برطانیہ، مصر اور اسرائیل اس کے حکمران رہے ہیں، جب کہ اب یہ علاقہ خود فلسطینیوں کی عمل داری میں ہے۔

15 مئی 1948 کو جب برطانوی افواج جاتے جاتے اقتدار اسرائیل کے حوالے کر گئیں تو اس کے اگلے ہی روز شام، لبنان، اردن اور مصر نے اسرائیل کے خلاف جنگ شروع کر دی۔

غزہ چونکہ مصری سرحد پر واقع تھا، اس لیے یہ مصری فوج کا اڈا بن گیا جہاں سے مصری فوجیں اسرائیل کے زیر قبضہ علاقوں پر حملے کر سکتی تھیں۔ بحیرہ روم کے ساتھ غزہ کے شمال میں اسرائیلی افواج نے مصری فوج کی پیش قدمی روک دی مگر مصری فوجیں بحیرہ روم کے ساتھ 40 کلومیٹر کے علاقے میں اپنا قبضہ برقرار رکھنے میں کامیاب رہیں جو بعد میں جنگ بندی کے بعد بھی قائم رہا۔

پہلی عرب اسرائیل جنگ کے نتیجے میں سات سے آٹھ لاکھ فلسطینی مہاجر بن کر اپنا گھر بار چھوڑنے پر مجبور ہوئے ان میں سے زیادہ تر کا ٹھکانہ غزہ بنا۔ آج بھی غزہ میں ان مہاجرین کے آٹھ کیمپ موجود ہیں جہاں چھ لاکھ سے زیادہ فلسطینی مہاجرین رہتے ہیں۔ ان کیمپوں میں رہنے والے 81 فیصد مہاجرین خط غربت سے نیچے زندگی گزار رہے ہیں جنہیں بنیادی ضروریات زندگی بھی دستیاب نہیں ہیں۔

غزہ میں رہنے والے 10 لاکھ لوگوں کو اقوامِ متحدہ روزانہ کی بنیادوں پر راشن فراہم کرتا ہے۔ 23 لاکھ سے زائد آبادی والے اس شہر پر حماس کی حکمرانی ہے۔

1967 میں جب نہر سویز کے مسئلے پر مصر اور اسرائیل کی جنگ چھڑی تو اس کے نتیجے میں اسرائیل نے مصر کے زیر قبضہ غزہ کی پٹی اور صحرائے سینا کے علاقوں پر اپنا کنٹرول قائم کر لیا۔ اس کے ساتھ شامی علاقے گولان کی پہاڑیوں اور اردن سے مشرقی بیت المقدس کا علاقہ بھی چھین لیا۔

اس چھ روزہ جنگ میں ایک لاکھ فلسطینیوں کو مہاجر بننا پڑا، جس کے نتیجے میں فلسطینی یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ انہیں اپنی آزادی کی جنگ خود ہی لڑنا پڑے گی، جس کے نتیجے میں پی ایل او، جو 1964 میں قائم ہو چکی تھی، کی پذیرائی میں اضافہ ہو گیا۔

1973 کی عرب اسرائیل جنگ، 1987 اور 2000 میں فلسطینیوں کی تحریک مزاحمت جسے 'انتفاضہ' کا نام دیا

جاتا ہے، کا نتیجہ یہ نکلا کہ 1987 میں غزہ میں حماس کا قیام عمل میں آیا۔

1990 میں اوسلو معاہدے کی روشنی میں اسرائیل اور پی ایل او ایک آزاد فلسطینی ریاست کے قیام پر متفق ہو گئے۔اسی معاہدے کی رو سے 1994 میں فلسطینی اتھارٹی کا قیام عمل میں آیا۔پی ایل او اس معاہدے کے بعد تشدد کا راستہ ترک کرنے پر آمادہ ہوگئی تا کہ ایک آزاد فلسطینی ریاست کی جانب بڑھا جا سکے۔

دوسری جانب حماس اور 'اسلامک جہاد' نامی فلسطینی تنظیموں کا موقف ہے کہ فلسطینی ریاست کے قیام کا مقصد مسلح جدوجہد ہی سے ممکن ہے، جس کی وجہ سے حماس کو کئی ممالک نے دہشت گرد قرار دیا ہے۔

یاسر عرفات جو فلسطینی نیشنل اتھارٹی کے صدر تھے، کے 2004 میں انتقال سے فلسطین میں سیاسی خلا پیدا ہو گیا، جس کا فائدہ حماس کو ہوا۔

اسرائیل نے امن کی جانب پیش قدمی کرتے ہوئے 2005 میں غزہ سے اپنی فوجوں کو واپس بلا لیا اور غزہ میں نو ہزار کے قریب اسرائیلی آبادکاروں کو بھی حکم دیا کہ وہ غزہ خالی کر دیں۔

غزہ میں پانی اور بجلی کی فراہمی، ٹیلی کمیونیکیشن اور ساحل سمندر پر اسرائیل کا ہی کنٹرول رہا۔حماس نے 2006 کے انتخابات میں مہم چلائی کہ اوسلو معاہدہ ایک آزاد فلسطینی ریاست کے قیام میں ناکام ہو گیا ہے جس پر اس نے فتح تنظیم کو عام انتخابات میں شکست سے دوچار کر دیا۔

فلسطینی سکیورٹی فورسز کو غزہ میں غیر موثر کر کے حماس نے اقتدار سنبھال لیا۔اسرائیل نے حماس کی جانب سے کنٹرول سنبھالنے کے بعد غزہ کا محاصرہ کر لیا تا کہ حماس اسلحہ وغیرہ جمع نہ کر سکے۔

یہ محاصرہ آج تک جاری ہے اور ہیومن رائٹس واچ غزہ کو دنیا کی سب سے بڑی کھلی جیل قرار دیتی ہے۔

2021 میں حماس نے اسرائیل پر 11 دنوں میں چار ہزار راکٹ فائر کیے، جن میں 10 اسرائیلی شہری مارے گئے اور 300 زخمی ہوئے جس کے جواب میں اسرائیل نے حملے کر کے غزہ میں 200 فلسطینیوں کو قتل کر دیا۔

اس کے بعد سے سب سے بڑی جنگ 2023 میں دیکھنے میں آئی ہے جس میں اب تک ہزاروں افراد کی جانیں جا چکی ہیں اور مستقبل قریب میں اس تاریخی خطہ زمین پر بظاہر امن کے آثار دکھائی نہیں دیتے۔

☆.....☆.....☆

# چمنستانِ ختم نبوت کے گلہائے رنگا رنگ

مصنف: حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب۔ 5 جلد۔ طباعت: عمدہ۔ ملنے کا پتا: عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت حضوری باغ روڈ ملتان۔ رابطہ نمبر 0614783486

دورِ حاضر میں تحفظ ختم نبوت کے کاز کا ذکر آئے اور مولانا اللہ وسایا صاحب مدظلہم کا نام پردہ ذہن پر جھلمل نہ کرنے لگے؛ یہ ممکن نہیں۔ حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب عقیدہ ختم نبوت کے محافظ، مبلّغ اور منّاد ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب قلم ادیب بھی ہیں۔ آپ کا قلم بھی تحفظ ختم نبوت اور ردِّ قادیانیت کے لیے وقف ہے۔ اب تک آپ کے قلم سے درجنوں کتابیں اور رسائل نکل چکے ہیں، مضامین کا فی الحال کوئی شمار نہیں۔ لکھتے ہیں تو ظاہر ہے کہ پڑھتے بھی ہیں، وسیع المطالعہ ہیں۔

''چمنستانِ ختم نبوت'' آپ کے قلم کا شاہکار ہے۔ اس کا پورا نام ''چمنستان ختم نبوت کے گلہائے رنگا رنگ'' ہے۔ یہ کتاب پانچ جلدوں میں ہے اور اس میں عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لیے کسی بھی سطح پر بروئے کار آنے والے خوش نصیبوں کا دلآویز تذکرہ شامل ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ جب مرزا غلام احمد قادیانی نے نبوت کا دعویٰ کیا تو اس کا مقصد غلام ہندوستان کے مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے، ان کے حوصلے پست کرنے اور انہیں انگریز سامراج کا وفادار بنانے کے سوا کچھ نہ تھا۔

تاج برطانیہ کی مالی، اَخلاقی اور سرکاری سپورٹ میں اس کا یہ خود کاشتہ پودا پھلنے پھولنے لگا، سادہ لوح عوام اس کے جال میں پھنسنے لگے اور اسے نبی ماننے لگے۔ حضرات علماء کرام کو صورتِ حال کا ادراک ہوا تو انہوں نے اس فتنے کے تعاقب میں اپنی صلاحیتیں صرف کرنا شروع کر دیں۔ اول اول یہ سرگرمیاں انفرادی نوعیت کی تھیں، مولانا ثناء اللہ المرتسری، دارالعلوم دیوبند کے علماء اور بعض دیگر حضرات نے ذاتی حیثیت میں مرزا قادیانی کے محاسبے کا کام کیا۔ لیکن یہ فتنہ عوام میں جس تیزی سے پھیلنے لگا تھا؛ اس پر ضرورت تھی کہ قادیانیت کے حوالے سے عوامی بیداری کی تحریک چلائی جائے، چناں چہ اَبوحنیفۂ ہند حضرۃ العلام مولانا انور شاہ کاشمیری نور اللہ مرقدہ نے حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کو ''امیر شریعت'' کا لقب دے کر عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لیے وقف کیا۔ شاہ جی رحمہ اللہ نے مجلس احرار اسلام کے پلیٹ فارم سے قادیانیت کے تعاقب کو تنظیمی سطح پر منظّم کیا اور اس کے لیے باقاعدہ شعبہ تحفظ ختم نبوت قائم فرمایا۔ قیام پاکستان سے قبل قادیانیت کے سدباب کے لیے عوامی تحریک منظّم کی، حتیٰ کہ ان کی

جدوجہد سے عام مسلمانوں کو صحیح اندازہ ہوگیا کہ قادیانیت کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ مسلمانوں سے الگ مذہب کا حامل اسلام کا باغی گروہ ہے۔

قیام پاکستان کے بعد یہاں قادیانیت کے خلاف دو بڑی تحریکات چلیں، تحریک تحفظ ختم نبوت 1953ء اور تحریک تحفظ ختم نبوت 1974ء۔ ان دونوں تحریکات میں عوام وخواص نے مل کر اس فتنے کے تعاقب میں جانفشانی و جانفروشی کی نادر مثالیں پیش کیں، ان دو تحریکات کے علاوہ بھی عمومی طور پر مجاہدین ختم نبوت نے اس راہِ وفا میں انتھک خدمات انجام دیں، خواہ وہ عدالتی چارہ جوئی ہو، پارلیمنٹ کی جدوجہد ہو، یا صحافتی میدان میں قادیانیت کا تعاقب ہو۔ حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب مدظلہم نے ایسے ہی جنوں مآب مجاہدینِ ختم نبوت کے تذکروں کو ''چمنستانِ ختم نبوت کے گلہائے رنگا رنگ'' کے عنوان سے جمع کیا ہے۔ دنیا شاید ان گمنام افراد کو بھول جاتی؛ اور ان کے تذکرے طاق نسیاں کی زینت بن جاتے مگر حضرت کی اس محنت وکاوش سے ان مجاہدینِ ختم نبوت کے تذکرے نہ صرف محفوظ ہوگئے ہیں بلکہ آنے والی نسلوں کے لیے مشعل راہ بھی ہیں۔

اس کتاب کی پہلی جلد ''مجلس تحفظ ختم نبوت'' کے امراء، نظماء، مبلغین اور مرکزی شوریٰ کے اراکین کے تذکرے پر مشتمل ہے۔ ان میں امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا محمد علی جالندھری، محدث العصر مولانا سید محمد یوسف بنوری، حضرت سید نفیس الحسینی، شیخ الحدیث مولانا عبدالمجید لدھیانوی، مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر، مولانا محمد عبداللہ درائے پوری، مولانا عبدالرحمٰن میانوی، مولانا عبدالرحیم اشعر، مولانا لال حسین اختر، مولانا محمد یوسف لدھیانوی، مولانا محمد حیات، مولانا تاج محمود، حضرت مولانا محمد شریف کشمیری رحمہم اللہ جیسے اکابر مجلس تحفظ ختم نبوت کے سوانحی تذکرے ہیں، باقی جلدوں میں الف بائی ترتیب کے مطابق تذکرے شامل ہیں۔

اس مجموعے میں خاص وہ تذکرے جو مولانا وسایا زید مجدہم کے اپنے قلم سے ہیں وہ سادگی اور پرکاری کا نمونہ ہیں۔ اسلوب سادہ اور دلنشین ہے، آپ کو کہیں الفاظ کی طوطا مینا نظر نہیں آئے گی، البتہ بعض شخصیات کے تذکرے میں محض ایک دو لفظوں کا تبصرہ اس شخصیت کے مزاج ومذاق کا ایکسرے پیش کر دیتا ہے۔

کتاب بڑے سائز کے صفحات پر مشتمل ہے۔ پانچوں جلدوں کے کل صفحات ۲۲۱۶ اور کل شخصیات ۲۴۶۰ ہیں۔ حضرت اپنے ''مرض مرتب'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''وہ تمام حضرات جنہوں نے عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لیے خدمات انجام دیں ان سب کا احاطہ ممکن نہیں تھا لیکن جتنا ہوگیا غنیمت ہے۔ اس میں سنی، دیوبندی، بریلوی، اہل حدیث کی تقسیم وتفریق، سیاسی وغیر سیاسی، کانگریسی، مسلم لیگی کا امتیاز، مسٹر اور ملا کے فرق کے بغیر جس نے ختم نبوت جو خدمت انجام دی ان کے تھوڑے

یا زیادہ حالات جمع ہوگئے ہیں۔ان تمام حضرات کے تذکروں میں میرے سامنے فقط ان حضرات کی ختم نبوت کے حوالے سے کم یا زیادہ جتنی خدمت تھی اس کو لیا ہے۔ان حضرات کی سوانح وشخصیت کی طرف نہیں گیا کہ یہ میرے موضوع کے متعلق نہ تھا۔تاریخ پیدائش مل گئی تو درج کردی۔نہیں ملی تو اس کا تعاقب نہیں کیا۔تاریخ وفات ذکر کی کوشش تو کی،نظر نہ پڑی تو جانے دیا،اس پر اٹکا نہیں۔''

بہرحال یہ عظیم الشان کام پانچ ضخیم جلدوں پر محیط ہے۔اوران مجاہدین ختم نبوت کے مبارک ومعطر تذکرے نئے راہروان راہِ وفا کو ذوق شوق اور جذبہ عشق ومستی کو مہمیز دیتے ہیں۔یقیناً یہ خوش نصیب لوگ تھے جو کسی بھی سطح پر تحفظ ختم نبوت کے محاذ پر کام آئے اورانہوں نے اپنی عاقبت سنوار لی۔

## دورہ حدیث کے طلبہ کے لیے تین مفید کتابیں

**۱- تقریب التهذیب** از حافظ ابن حجر رحمہ اللہ

کتبِ ستہ (بخاری،مسلم،ترمذی،ابوداود،نسائی وابن ماجہ) کے رجال کے مقام ومرتبہ کی نشان دہی پر مشتمل مختصر کتاب ہے،شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ کی تحقیق کے ساتھ شائع شدہ نسخہ عمدہ ہے۔اس کتاب کے ساتھ اسی موضوع پر علامہ ذہبی رحمہ اللہ کی ''الکاشف'' کی بھی مراجعت کرتے رہنا چاہیے،شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ نے الکاشف کی بھی تحقیق فرمائی ہے اور ابتدائی جلد میں جاندار مقدمہ لکھا ہے۔یاد رہے کہ اس نوع کی کتابیں فوری مراجعت اور کام چلاؤ کے لیے ہوتی ہیں،تحقیق کے لیے ان کے اصل مآخذ کی مراجعت ازبس ضروری ہے۔

**۲- المغنی فی ضبط أسماء الرجال** از مولانا محمد طاہر پٹنی رحمہ اللہ

کتبِ ستہ کے راویوں کے ناموں کے ضبط وتلفظ کے متعلق رہنما کتاب ہے،مثلاً: کہاں سَلِیم ہے اور کہاں سُلَیم؟ کہاں عُبَیدَہ ہے اور کہاں عَبِیدَہ؟ اس کتاب کا سب سے عمدہ نسخہ شیخ طلحہ بلال احمد منیار مدظلہم کی تحقیق کے ساتھ مکتبہ اسماعیل برطانیہ شائع ہوا ہے۔نیز حضرت مولانا زین العابدین معروفی اعظمی رحمہ اللہ (سابق نگران شعبہ تخصص فی علوم الحدیث، جامعہ مظاہر علوم سہارنپور) نے بھی اس کتاب کی تحقیق کی ہے، یہ نسخہ وطنِ عزیز میں الرحیم اکیڈمی کراچی سے شائع ہو چکا ہے۔

**۳-النهایة فی غریب الحدیث و الأثر** از علامہ ابن اثیر جزری رحمہ اللہ

لغات الحدیث، احادیثِ مبارکہ میں مذکور نامانوس الفاظ کی تشریح وتوضیح اور متفرق اہم جملوں کی توجیہات کے سلسلے میں معتمد کتاب ہے،اس کتاب کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں،ایک جلد یا زیادہ سے زیادہ دو جلدوں پر مشتمل کوئی اچھا نسخہ لینا مناسب رہے گا۔یہ تین کتابیں دورہ حدیث کے دوران ہر طالب علم کے قریب رہنی چاہئیں،تاکہ بر موقع فوری مراجعت کی جاسکے۔(از: مولانا محمد یاسر عبداللہ، جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن، کراچی)